بیادگار: حضرت مولانا سید محمد ثانی حسنی رحمۃ اللہ علیہ

خواتین کا ترجمان

ماہنامہ

رضوان

لکھنؤ

جلد نمبر ۶۲

شمارہ نمبر ۶

جون ۲۰۱۸ء

JUNE 2018

سالانہ زر تعاون

برائے ہندوستان : ۳۰۰/روپے

غیر ملکی ہوائی ڈاک : ۴۰/امریکی ڈالر

فی شمارہ : ۳۰/روپے

لائف ٹائم خریداری : ۸۰۰۰/روپے

نوٹ

خط و کتابت کرتے وقت اپنا خریداری نمبر اور مکمل صاف پتہ ضرور لکھیں، اگر مدت خریداری کے ختم ہونے کے وقت کی پرچی پتہ کی چٹ پر لگی ہو تو براہ کرم مدت خریداری ختم ہوتے ہی رقم ارسال فرمائیں۔ (منیجر)

ایڈیٹر

محمد حمزہ حسنی

مجلس ادارت

میمونہ حسنی — عائشہ حسنی

جعفر مسعود حسنی — محمود حسن حسنی

ڈرافٹ پر RIZWAN MONTHLY لکھیں

زر تعاون اور خط و کتابت کا پتہ

ماہنامہ رضوان

۱۷۲/۵۴، محمد علی لین گوئن روڈ لکھنؤ

پن کوڈ: ۲۲۶۰۱۸ - موبائل: ۹۴۱۵۹۱۱۵۱۱

Rizwan (Monthly)

172/54, Mohammad Ali Lane

Gwynne Road Lucknow

Pin:226018- Mobile: 9415911511

ایڈیٹر، پرنٹر و پبلشر محمد حمزہ حسنی نے مولانا محمد ثانی حسنی فاؤنڈیشن کے لیے نظامی آفسیٹ پریس میں چھپوا کر دفتر رضوان محمد علی لین سے شائع کیا

E-Mail : azizpaitepuri@gmail.com

کمپوزنگ: ناشر کمپیوٹر، لکھنؤ۔ فون: 9792913331

فہرست مضامین

- اپنی بہنوں سے .... مدیر 5
- حدیث کی روشنی میں .... امۃ اللہ تسنیم 6
- تعلیم اور ہماری ذمہ داری .... مولانا خالد سیف اللہ رحمانی 8
- آپ بحیثیت شوہر .... مفتی محمد عبداللہ قاسمی 10
- مولانا ابوالحسن علی ندویؒ کی زاہدانہ زندگی 12
- حضرت اُم الفضل لبابۃ الکبریٰؓ .... ادارہ 13
- بچوں کا جھوٹ بولنا اسباب اور علاج .... عادل سہیل ظفر 15
- خواتین اور انفاق فی سبیل اللہ .... مولانا محمد غیاث الدین حسامی 18
- قرآن مجید اور ہمارا رویہ .... عبدالملک 23
- ذرا اِدھر سے بھی ہوتی ہوئی بہار چلے .... نثار احمد حصیر القاسمی 29
- حقوق نسواں کا محافظ دین اسلام .... محترمہ عطا محمد جنجوعہ 32
- عصری درسگاہوں کے طلبہ کو بھی...... .... محمد صابر حسین ندوی 34
- صوفی ازم کے نام پر! .... علامہ غازی الدین سعدی 37
- سوال وجواب .... مفتی راشد حسین ندوی 39
- آخری صفحہ .... مولانا قمر الزماں ندوی 42

اپنی بہنوں سے

مدیر

جس وقت یہ شمارہ آپ کے ہاتھوں میں ہوگا۔ رمضان المبارک کا پہلا عشرہ گزر گیا ہوگا۔ دوسرا عشرہ شروع ہو چکا ہوگا۔ کامیاب ہیں وہ لوگ جنہوں نے پہلے عشرہ کی قدر کی اور اپنے اوقات کو عبادتوں سے آراستہ کیا، غفلت، کاہلی اور ان مبارک دنوں کی ناقدری سے بچتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی رضا کے حصول میں لگے رہے، ان کے شب و روز تلاوت کلام پاک اور ذکر و تسبیح سے معمور رہے، ناداروں اور محتاجوں کی خبر گیری اور ان کے ساتھ حسن سلوک کو اختیار کیا، یہ مہینہ بے کسوں کے ساتھ غم خواری اور محتاجوں، یتیموں، بیواؤں اور ضرورت مندوں کی اعانت کا ہے، عبادت کے ساتھ اس طرف خصوصی توجہ کرنا چاہئے اس سے اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل ہوتی ہے اور رمضان المبارک کی خصوصی نسبت حاصل ہوتی ہے۔

ہم کو کسی وقت بھی اپنے حال سے غافل نہیں رہنا چاہئے، اپنے نفس کا جائزہ لیتے رہنا چاہئے اگر ہم سستی، کاہلی اور غفلت سے دور رہ کر رمضان کے ایک ایک لمحہ کی قدر کریں گے تو دین و دنیا دونوں کی کامیابی ہمیں نصیب ہوگی اور اگر ہم نے سستی کاہی اور غفلت سے کام لیا تو **خسر الدنیا والآخرہ** کا ہم مصداق ہو جائیں گے نہ دنیا ہاتھ آئے گی، اور آخرت میں تو خسارہ اور گھاٹا ہی ہمارے ہاتھ لگے گا۔

اب رمضان المبارک کے چند روز باقی رہ گئے ہیں ان کو غنیمت سمجھتے ہوئے ان کو اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی نعمت سمجھیں اور ان کی برکتوں اور رحمتوں کو حاصل کرنے کی پوری کوشش کریں، ان شاء اللہ تعالیٰ ہم اپنی کوششوں میں کامیاب ہوں گے اور دین و دنیا میں سرخروئی ہم کو ملے گی۔

حدیث کی روشنی میں

امۃ اللہ تسنیم

زکوٰۃ کی فضیلت

جنگ کی انتہا

حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں لوگوں سے اس وقت تک جنگ کرتا رہوں گا جب تک وہ لا الہ الا اللہ و ان محمد الرسول اللہ کا اقرار نہ کرلیں اور نماز قائم کریں اور زکوٰۃ دیں، پھر جب وہ ایسا کریں گے تو مجھ سے اپنے مال اور خون کو بچالیں گے مگر اسلام کے حق کے ساتھ (یعنی سوائے اس کے کہ خود اسلام کا مطالبہ ہو مثلاً کسی کو قتل کردیا تو قصاص لیا جائے یا حد شرعی کا مستوجب ہو) اور اس کا حساب اللہ پر ہے۔ (بخاری۔ مسلم)

منکرین زکوٰۃ سے جہاد

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوئی اور حضرت ابوبکرؓ خلیفہ ہوئے تو تمام منکرین اسلام سے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد مرتد ہوگئے تھے جنگ کرنے کی ٹھانی۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا، آپ ان سے کس طرح جنگ کریں گے کیونکہ آپ کو معلوم ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں لوگوں سے اس وقت تک جنگ کروں جب تک وہ لا الہ الا اللہ کا اقرار نہ کرلیں، جب وہ اس کا اقرار کرلیں گے تو بے شک وہ مجھ سے اپنے مال اور جان کو بچالیں گے مگر حق کے ساتھ۔ اور ان کا حساب اللہ پر ہے۔ حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا واللہ میں اُن سے ضرور لڑوں گا جو نماز اور زکوٰۃ کے درمیان فرق کرتے ہیں، زکوٰۃ مال کا حق ہے جیسے نماز نفس کا حق ہے۔ میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں ایک رسّی دیتا تھا اور اب نہ دے گا تو میں اس سے جنگ کروں گا۔ حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ واللہ میں سمجھ گیا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابوبکرؓ کا سینہ قتال کے لئے کھول دیا ہے اور مجھے یقین ہوگیا کہ ابوبکرؓ جو کہتے ہیں یہی حق ہے۔ (بخاری۔ مسلم)

جنت کی شرائط

حضرت ابوایوبؓ سے روایت ہے کہ ایک آدمی نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے ایسا عمل بتایئے جو مجھے جنت کا مستحق بنادے، آپ نے فرمایا اللہ کی عبادت کرو، اس کا شریک نہ ٹھہراؤ، نماز قائم کرو، زکوٰۃ اور صلہ رحمی کرو۔

(بخاری۔ مسلم)

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ ایک دیہاتی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا یا رسول اللہ مجھے ایسا عمل بتایئے جو مجھے جنت میں داخل کردے۔ آپ نے فرمایا اللہ کی عبادت کرو اس کا شریک نہ ٹھہراؤ۔ نماز پڑھو اور فرض کی ہوئی زکوٰۃ ادا کرو اور رمضان کے روزے رکھو، اس دیہاتی نے کہا قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے اسی پر عمل کروں گا، اپنی طرف سے کوئی زیادتی نہ کروں گا۔ جب وہ چلا گیا تو آپ نے فرمایا جس کو کسی جنتی کے دیکھنے کی خواہش ہو تو اس شخص کو دیکھ لے۔ (بخاری۔ مسلم)

زکوٰۃ پر بیعت

حضرت جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نماز قائم کرنے اور زکوٰۃ دینے اور ہر مسلمان کے ساتھ خیرخواہی کرنے پر بیعت کی۔ (بخاری۔ مسلم)

زکوٰۃ نہ دینے کی سزا

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص سونے چاندی کے نصاب کا مالک ہو اس کا

حق ادا نہ کرے گا، یعنی زکوٰۃ نہ دے گا تو قیامت کے دن اس سونے چاندی کو آگ میں پگھلا کر پتر بنائے جائیں گے۔ پھر وہ پتر دوزخ کی آگ میں دہکائے جائیں گے اور اس سے اس کی پیشانی، پیٹھ اور پہلو داغے جائیں گے اور جب وہ پتر ٹھنڈے ہوجائیں گے تو پھر دہکا کر داغے جائیں گے اور یہ عذاب اتنے بڑے دن میں ہوگا جس کی مقدار پچاس ہزار سال کی ہوگی یہاں تک کہ تمام بندوں کے حق میں فیصلہ ہوچکے گا پھر اسکا ٹھکانا دیا جائے گا چاہے جنت یا دوزخ۔ لوگوں نے عرض کیا، یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اونٹ کے مالکوں کا کیا حال ہوگا، فرمایا اونٹ کے مالکوں کے لئے بھی یہی حال ہے، اگر وہ اس کا حق ادا نہ کرے گا، اس کا حق پانی پلانے کے دن ان کو دوہنا (یعنی محتاجوں اور فقراء کے لئے) تو قیامت کے دن ایک کشادہ میدان میں اس کو منھ کے بَل گرایا جائے گا اور اس کے وہ تمام اونٹ دنیا سے کہیں زیادہ زوردار اور تناور ہوکر آئیں گے، اس میں ایک بچہ بھی کم نہ ہوگا، وہ سب مل کر اپنے مالک کو پاؤں سے روندیں گے، اور منھ سے کاٹیں گے اور یکے بعد دیگرے اترتے چڑھتے اور روندتے رہیں گے اور یہ معاملہ اس دن میں کہ جس کی مقدار پچاس ہزار سال کی ہے ہوتا رہے گا۔ یہاں تک کہ بندوں کا فیصلہ ہوچکے گا پھر اس کو اس کا ٹھکانہ دکھایا جائے گا۔ دوزخ کی طرف یا جنت کی طرف۔ صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ اور گائے بکری؟ آپ نے فرمایا بکری اور گائے کے مالک اگر اس کا حق ادا نہ کریں گے تو قیامت کے دن ایک کشادہ میدان میں ان کو منھ کے بل گرایا جائے گا اور تمام گائے اور بکری ایک بچہ بھی کم نہ ہوگا۔ وہ سب جمع ہوکر اس کو ماریں گی اور پاؤں سے روندیں گی اور کوئی گائے بکری ایسی نہ ہوگی جس کی سینگ ٹوٹی ہو یا پیچے نہ ہوں یا بلا سینگ کے ہوں اور یکے بعد دیگرے اترتی اور چڑھتی اور روندتی رہیں گی۔ اس دن میں کہ جس کی مقدار پچاس ہزار سال کی ہے۔ اتنی مدت میں تمام بندوں کا فیصلہ بھی ہوچکے گا پھر اس کو اس کا ٹھکانا دکھلایا جائے گا۔ جنت کی جانب یا دوزخ کی طرف۔ لوگوں نے عرض کیا اب گھوڑوں کا حال بتایئے۔ آپ نے فرمایا گھوڑے تین قسم کے ہوتے ہیں۔ ایک قسم آدمی کے لئے بوجھ اور گناہ ہے۔ دوسری قسم دوزخ کا پردہ، تیسری قسم اجر ہے۔ پہلی قسم بوجھ کی یوں ہے کہ آدمی گھوڑے کو ریا، فخر اور اہل اسلام کی مخالفت کے لئے باندھیں گے تو یہ گھوڑے اپنے مالک کے لئے بوجھ اور گناہ ثابت ہوں گے۔ دوسری قسم وہ ہے یعنی یہ کہ وہ گھوڑے کو محض اللہ کے راستہ کے لئے باندھے گا اور اللہ تعالیٰ کا حق جو اس کی پشت اور گردن میں ہے اس کو بھولا نہیں یعنی وہ سب ادا کرتا رہا) تو وہ گھوڑے اپنے مالک کے لئے دوزخ کا پردہ بن جائیں گے۔ یعنی دوزخ کے درمیان حائل ہوجائیں گے۔ تیسری قسم اجر ہے اس کی صورت یہ ہے کہ آدمی گھوڑے فی سبیل اللہ اہل اسلام کے فائدے کے لئے چراگاہ یا باغ میں باندھے تو وہ گھوڑے جو کچھ اس چراگاہ باغ سے کھائیں گے تو اس شخص کے لئے ان گھوڑوں کا کھائی ہوئی گھاس کی مقدار کے برابر نیکیاں لکھی جائیں گی۔ حتیٰ کہ پاخانہ اور پیشاب کی مقدار کے برابر بھی نیکیاں لکھی جائیں گی اور اگر وہ گھوڑا، رسّی تڑا کر ایک میدان سے دوسرے میدان میں چھلانگ مارتا پھرے تو اس کے نشانِ قدم اور لید کے شمار کے برابر مالک کے لئے نیکیاں لکھی جائیں گی اور اگر اس کا مالک اس کو کسی نہر کے پاس لے کر نکلے اور وہ پانی پی لیں تو جتنے گھونٹ وہ پانی پئیں گے۔ اسی قدر اس کے مالک کو نیکیاں ملیں گی، چاہے وہ پانی پلانے کی غرض سے نہ لایا ہو۔ لوگوں نے عرض کیا کہ گدھے کے متعلق کیا حکم ہے۔ فرمایا گدھوں کے بارے میں مجھ پر سوائے اس آیت جامعہ کے کچھ نازل نہیں ہوا۔

فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ۔ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ۔

جس نے ذرہ بھر بھلائی کی وہ دیکھ لے گا اور جس نے ذرہ بھر برائی کی وہ بھی دیکھ لے گا۔ (زلزال۔ ع-1) (بخاری۔ مسلم)

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی

تعلیم اور ہماری ذمہ داری

ہمارے ملک کی تعلیمی روایت کے مطابق اس وقت مختلف علاقوں میں دسویں کلاس کا امتحان چل رہا ہے، یہ وقت مسلمانوں کے لئے بڑی چوکسی کا ہے، مسلمان بچوں میں سلسلۂ تعلیم کو منقطع کردینے کا تناسب بہت زیادہ ہے، بہت سے طلبہ تو ساتویں آٹھویں جماعت ہی میں تعلیم منقطع کردیتے ہیں، اور انٹر کے بعد تو تعلیم چھوڑنے کا سلسلہ بہت زیادہ ہے، مسلمان نوجوانوں میں گریجویشن تک پہنچنے کا تناسب برادران وطن کی بہ نسبت کافی کم ہے، اور یہ ایک افسوسناک حقیقت ہے کہ جس امت کو سب سے پہلے پڑھنے پڑھانے کا سبق دیا گیا، وہ تعلیم میں غفلت کے اعتبار سے ضرب المثل بنی ہوئی ہے۔

ہم دن و رات جن اقوام کے ساتھ رہتے ہیں، ان کے یہاں حصول تعلیم کا جذبہ جتنا بے پناہ ہے، ہم ابھی اس میں بہت پیچھے ہیں، اس وقت صورت حال یہ ہے کہ دلت جنہیں ہندوستانی معاشرہ میں کوے اور چیل کے برابر سمجھا جاتا تھا، تعلیم کے میدان میں وہ بھی نمایاں مقام حاصل کرنے کے لئے شب و روز کوشاں ہیں، جن گھروں میں اسکول جانے کا کوئی تصور نہیں تھا، اور بچے عقل ہوش سنبھالتے ہی اپنے ہاتھوں میں کدال اور پھاؤڑے لے کر محنت و مزدوری کے لئے کھیتوں اور بازاروں میں گھومتے رہتے تھے، اب ان کی پیٹھ پر کتابوں کے بھاری بیگ ہوا کرتے ہیں اور انہوں نے اسکول کی دنیا کو اپنے آپ سے آباد کر رکھا ہے، لیکن ہم مسلمانوں کا حال یہ ہے کہ ہمارا سفر پیچھے کی طرف ہے، ہم نے ترقی کے بجائے تنزلی کو اور محنت کے بجائے تن آسانی و سہل انگاری کو اپنی منزل بنالیا ہے۔

اس کے کئی اسباب ہیں، پہلا سبب تعلیم کے معاملہ میں ہماری بے شعوری ہے، مسلمانوں میں آج بھی ایک بڑی تعداد ان لوگوں کی ہے جو تعلیم کی اہمیت سے نابلد ہیں، مسلمانوں میں جو مزدور اور کم معاش طبقہ ہے، وہ ابھی تک اسی فکر کا اسیر ہے کہ اپنے بچوں کو پتھر پھوڑنے، ہوٹلوں کی میز صاف کرنے اور اس طرح کے دوسرے کاموں میں لگادیا جائے، تاکہ یومیہ دس بیس روپے آجائیں اور گھر چلانے میں آسانی ہو، باشعور مسلمانوں کی ذمہ داری ہے کہ انہیں بتائیں کہ یہ چند پیسے ان کے روشن مستقبل کو تاریک کرنے کا ذریعہ ہیں، اس لئے وہ ابھی تکلیفیں اُٹھاکر اور مشقتیں جھیل کر اپنے بچوں کو تعلیم دلائیں تو آج کے دس روپے کل دس ہزار لاسکتے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بدر کے قیدیوں میں پڑھے لکھے لوگوں کے لئے دس بچوں کی نوشت وخواند سکھانے کو فدیہ قرار دیا تھا، یہ وہ وقت تھا کہ مسلمان فاقہ مستیوں سے دوچار تھے اور ان کو مالی وسائل کی زیادہ احتیاج تھی، لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے معاشی ضرورت پر تعلیمی ضرورت کو مقدم رکھا۔

تعلیم سے غفلت تاجروں کے طبقہ میں بھی پائی جاتی ہے، بعض لوگ خیال کرتے ہیں کہ اگر یہ پڑھ لکھ کر اعلیٰ تعلیم بھی حاصل کرلیں تو اس کو اسی تجارت یا کاروبار میں لگنا ہے، ایسی صورت میں زیادہ تعلیم کی کیا ضرورت ہے؟ اگر بہ قدر ضرورت تعلیم کے بعد اسے کاروبار میں لگادیا جائے تو پیسے بھی بچیں گے اور وقت بھی بچے گا، نیز جتنی مدت اس کے حصول تعلیم میں لگتی، اس میں اسے کام کا اچھا خاصا تجربہ ہوجائے گا، لیکن یہ کھوٹی سوچ ہے، کاروبار میں اُتار چڑھاؤ ہوتا رہتا ہے، یہ کوئی قابل بھروسہ ذریعہ معاش نہیں ہے، دُکانیں جلائی جاسکتی ہیں۔

سامان و اسباب لوٹے جاسکتے ہیں، لیکن علم ایسی متاع گراں مایہ ہے کہ نہ اسے لوٹا جاسکتا ہے اور نہ جلایا جاسکتا ہے، علم انسان کا اصل جوہر ہے، اس سے انسان کی عزت اور اس کے کنبے اور قوم کا وقار متعلق ہے، اس لئے علم بجائے خود ایک بہت بڑی نعمت ہے، جسے نظر انداز نہیں کیا جاسکتا، قرآن نے اسی لئے کہا ہے کہ علم رکھنے والے اور علم سے بے بہرہ برابر نہیں ہوسکتے: "هَلْ يَسْتَوِي الَّذِيْنَ يَعْلَمُوْنَ وَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ۔" (الزمر:9)

تعلیمی پسماندگی کا دوسرا سبب ہمارا اسراف اور فضول خرچی ہے، صورت حال یہ ہے کہ شادی بیاہ بچوں کی بسم اللہ، ختنہ اور عقیقہ کی تقریبات نیز موت سے متعلق طبع زاد رسم ورواج کی تکمیل میں ہم اپنے پیسے پانی کی طرح بہاتے ہیں، سودی قرض لینے اور اپنی بنیادی ضرورت کی چیزوں کو فروخت کرنے سے بھی گریز نہیں کرتے، ظاہر ہے کہ جب ہمارے پیسے ایسی بیکار چیزوں میں خرچ ہوں گے تو جائز ضروریات کے لئے پیسے کیسے بچ سکیں گے؟ اگر ہم اس اسراف کے خلاف مہم چلائیں اور اپنے اور اپنی قوم کے بچوں کی تعلیم کی فکر کریں تو ان ہی پیسوں کے ذریعہ ہم ان کی تعلیمی ضرورت کو پورا کرسکتے ہیں، اگر متوسط آمدنی کے لوگ یہ طے کرلیں کہ وہ سادہ طریقہ پر اپنے بچوں کی تقریبات نکاح انجام دیں گے اور بچے ہوئے پیسوں سے اپنے بچوں کے علاوہ قوم کے ایک بچہ کی تعلیمی کفالت کریں گے، تو اس طرح سماج کے کتنے ہی غریب بچوں کی تعلیم کی صورت نکل آئے گی۔

ہماری تعلیمی پسماندگانی کا تیسرا سبب طلبہ وطالبات کے اولیاء کا اپنے بچوں کی تعلیم کی طرف سے بے تعلق اور غافل رہنا ہے، صورت حال یہ ہے کہ لوگ اپنے بچوں کو اسکول میں داخل کردیتے ہیں اور پھر کبھی پلٹ کر اس بات کا جائزہ نہیں لیتے کہ ان کا تعلیمی رجحان کیا ہے؟ وہ پابندی سے اسکول جا بھی رہے ہیں یا نہیں؟ مسلمان اولیاء طلبہ و طالبات سے عام طور پر اسکول کے ذمہ داروں کو یہ شکایت ہے، اولیاء کی غفلت کا نو عمر اور مستقبل کے نفع ونقصان سے بے خبر بچے بھی فائدہ اٹھاتے ہیں، وہ کثرت سے غیر حاضر رہتے ہیں، مفوضہ کام انجام نہیں دیتے، ڈسپلن شکنی کرتے ہیں، اساتذہ اور ذمہ داروں کے ساتھ بدتمیزی کا رویہ اختیار کرتے ہیں، اور اولیاء کے عدم تعاون کی وجہ سے ان کی بروقت فہمائش نہیں ہوپاتی، اس لئے ان کی بیماری بڑھتی جاتی ہے، یہاں تک کہ ناقابل علاج ہوجاتی ہے، حقیقت یہ ہے کہ تعلیم میں طلبہ، اولیاء طلبہ اور اساتذہ تینوں کی ذمہ داری برابر درجہ کی ہے، اولیاء طلبہ کی غفلت کی وجہ سے نہ صرف ایک تہائی ذمہ داری متاثر ہوتی ہے بلکہ طلبہ بھی اپنے فرائض سے غافل ہوجاتے ہیں، اس طرح بہت نقصان ہوتا ہے، اس لئے اس بات کی سخت ضرورت ہے کہ جو اولیاء طلبہ خود تعلیم یافتہ ہوں وہ تو آپ اس کی اہمیت محسوس کریں اور جو اولیاء ناخواندہ یا کم پڑھے لکھے ہیں ان میں یہ شعور بیدا کیا جائے کہ وہ وقتاً فوقتاً اپنے بچوں کی تعلیم کے سلسلہ میں اسکول پہنچ کر تفتیش حاصل کریں۔

ہماری تعلیمی پسماندگی کا ایک اہم سبب مسلمانوں کے زیر انتظام تعلیم گاہوں کی زیادہ سے زیادہ نفع حاصل کرنے کی پالیسی رہی ہے، ہم اسٹیج پر تو اپنی قوم کو تعلیم کی طرف متوجہ کرتے ہیں، لیکن جو اسکول ہمارے زیر انتظام ہیں، ہم ان میں "نہ نفع اور نہ نقصان" یا "کم نفع" کے بجائے "زیادہ سے زیادہ نفع" حاصل کرنے کی پالیسی اختیار کررکھی ہے اور اب تعلیم ایک نفع خیز تجارت بن چکی ہے، یہ نہایت ہی تکلیف دہ رجحان ہے، جو لوگ اصحاب ثروت ہیں، وہ تو اپنے بچوں کو کہیں بھی تعلیم دلائیں گے، لیکن قوم کے غریب لوگ اپنے بچوں کی تعلیم کا کیا انتظام کریں؟ اصل تو ان کی تعلیم کا مسئلہ ہے، یہ ضروری نہیں ہے کہ ہماری درس گاہوں کی عمارتیں عظیم الشان ہوں، اعلیٰ سے اعلیٰ فرنیچر ہو، اگر سادہ عمارت اور بنیادی ضروریات کے ساتھ ہم معیاری تعلیم فراہم کرسکیں اور اسے سستی بنا سکیں تو یہ قوم وملت کے ساتھ بڑا حسن سلوک ہوگا اور اس کام کو انجام دینے والے نہ صرف دنیا میں نیک نام بلکہ آخرت میں بھی ان شاء اللہ سرخرو ہوں گے، کاش! درسگاہوں کے ذمہ داران اس پر توجہ دیں۔ ○

مفتی محمد عبداللہ قاسمی

آپ بحیثیت شوہر

گھریلوں اور خانگی زندگی بڑی اہمیت کی حامل ہے، زندگی کا یہ شعبہ سکون بخش اور نشاط انگیز ہو تو یہ نہ صرف ایک گھر کے لئے نافع اور سود مند ثابت ہوتا ہے، بلکہ اس سے نو وارد مہمان کی صحیح اور ٹھوس تربیت ہوتی ہے اور اس کے اخلاق و رجحانات کی تعمیر بھی ہوتی ہے اور خاندانی نظام کی بقا اور استحکام بھی اسی پر موقوف ہے اور اگر خدانخواستہ زندگی کا یہ پہلو کج روی اور ناہمواری کا شکار ہو، افتراق وانتشار اور بغض وعناد نے زندگی کے اس پہلو کو تاریک بنادیا ہو تو ایک طرف اس سے خاندانی نظام کا شیرازہ بکھر کررہ جاتا ہے تو دوسری طرف نسل نو بھی ایسے جہنم زار ماحول میں صحیح اور ٹھوس تربیت سے محروم ہوتی ہے، جس کی وجہ سے وہ اخلاق و کردار کے لحاظ سے قطعاً غیر ذمہ دار ہوتی ہے اور معاشرے کا عضو معطل اور ناکارہ جز ثابت ہوتی ہے۔

نکاح ایک پائیدار رشتہ

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ پوری انسانیت کے لئے مشعل راہ اور رفیق خضر ہے، زندگی کے ہر موڑ پر سیرت طیبہ انسان کی راہنمائی کرتی ہے اور زندگی کے تاریک گوشوں کو اپنی ضوفشانی سے تابناک بنادیتی ہے، میاں بیوی کا رشتہ ایک پاکیزہ اور مقدس رشتہ ہے، شریعت کا منشا یہ ہے کہ جب زن وشو کے مابین یہ رشتہ قائم ہوجائے تو تادم حیات باقی رہے اور اس پر محبت و خلوص کا پختہ رنگ بیٹھ جائے، ظاہر ہے کہ یہ چیز اسی وقت وجود پذیر ہوسکتی ہے جب کہ زوجین میں سے ہر ایک اپنے اپنے حقوق کو ادا کریں، اور اپنے رفیق حیات کے ساتھ خوشگوار اور دوستانہ تعلقات کو فروغ دیں، تاہم یہ بھی ایک ناقابل انکار حقیقت ہے کہ اس رشتہ کی بقا اور استحکام میں شوہر کا غیر معمولی کردار ہوتا ہے اور شریعت مطہرہ نے زمام نکاح اسی کے ہاتھ میں سونپی ہے، اسی لئے ایک شوہر کا اپنی بیوی سے کیسا تعلق ہونا چاہئے؟ اور شوہر کو اپنی رفیقۂ حیات کے ساتھ کیسا طرز عمل اختیار کرنا چاہئے؟ اس کے لئے ہمیں سیرت طیبہ سے سبق لینے اور اس کو اپنی عملی زندگی میں برتنے کی ازحد ضرورت ہے۔

بیوی کے کاموں میں دلچسپی

سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کے کاندھوں پر نبوت کی بھاری ذمہ داریاں عائد کی گئی تھیں، جس کی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خارجی و بیرونی زندگی بہت ہی مصروف اور صبر آزما تھی، لیکن بایں ہمہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت مبارکہ یہ تھی کہ جب گھر تشریف لے جاتے تو کبھی آٹا گوندھ دیتے تو کبھی گھر کی دیگر ضروریات پوری کردیتے، حضرت عائشہؓ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھریلو معمولات کے بارے میں دریافت کیا گیا تو انہوں بتایا: اپنے سر سے جوئیں نکالتے، اپنی بکری کا دودھ دوہتے، اپنے کپڑے سی لیتے، اپنی خدمت خود کرلیتے، اپنے جوتے سی لیتے اور وہ تمام کام کرتے جو مرد اپنے گھروں میں کرتے ہیں، وہ اپنے گھر والوں کی خدمت میں لگے ہوتے جب نماز کا وقت ہوتا تو چھوڑ کر چلے جاتے۔ (مسند احمد)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے طرز عمل سے ایک کامیاب اور خوشگوار زندگی کا اصول معلوم ہوتا ہے، یہ ٹھیک ہے کہ مرد وعورت کے مابین تقسیم کار ہے، مرد نے بیرونی اور خارجی امور کی ذمہ داری لے رکھی ہے اور

عورت نے گھریلو اور خانگی امور کی ذمہ داری لے رکھی ہے، تاہم اس رشتہ کو امن و محبت کا گہوارہ بنانے اور اس کو مضبوط سے مضبوط تر بنانے کے لئے شوہر پر یہ اخلاقی ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ عورت کے کاموں میں دلچسپی لے اور گھریلو کاموں میں اس کا ہاتھ بٹائے اور گھریلو امور کے متعلق مشورے دے۔

عورت کی رائے کا احترام

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازدواجی زندگی کا ایک نمایاں اور واضح پہلو یہ بھی تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ازواج مطہرات کی رائے کا احترام کرتے تھے، صلح حدیبیہ کے موقع پر جب کفار مکہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور تقریباً پندرہ سو مسلمانوں کو عمرہ کرنے سے روک دیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے غیر معمولی فراست اور بصیرت و دور اندیشی سے کفار مکہ سے صلح کر لی، صلح نامہ تحریر ہونے کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرامؓ سے فرمایا: کھڑے ہو جاؤ اور اپنے جانوروں کو ذبح کرو، لیکن تین مرتبہ کہنے کے بعد بھی صحابہ کرامؓ...... جو طبعی طور پر رنجیدہ اور کبیدہ خاطر تھے اور غم سے نڈھال تھے...... اس کے لئے کھڑے نہ ہوئے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ام سلمہؓ کے پاس تشریف لائے اور صحابہ کرامؓ کے اس طرز عمل کا تذکرہ کیا، ام سلمہؓ جو عقلمند اور مزاج فہم تھیں، نے کہا: آپ ان سے کچھ نہ کہیے، آپ کھڑے ہو کر اپنا اونٹ ذبح کر دیجیے اور حلق کرا لیجیے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی رائے قبول کی، چنانچہ آپ باہر تشریف لائے، اپنی قربانی کی اور حلق کرایا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ کر صحابہ کرام نے بھی قربانیاں کیں اور حلق کرایا، ہجوم کا یہ عالم تھا کہ ہر ایک دوسرے پر ٹوٹ رہا تھا اور عجلت اس قدر تھی کہ ہر شخص حجامت بنانے کی خدمت انجام دے رہا تھا۔ (بخاری، حدیث نمبر: 2731) اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اہم امور میں عورت سے رائے لینی چاہئے اور رائے پسند آنے کی صورت میں اس پر عمل بھی کرنا چاہئے۔

گھر والوں کے دین کی فکر

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازدواجی زندگی کا ایک تابناک لائق تقلید پہلو یہ بھی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اہل خانہ کی دین کی فکر کرتے تھے اور ان کو دین دار بنانے کا اہتمام کرتے تھے، حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول تھا کہ جب بھی گھر میں تشریف لاتے تو قدرے بلند آواز سے یہ کلمات دہراتے: اگر ابن آدم کے پاس مال کے دو بھرے ہوئے میدان ہوں تو بھی آدمی تیسرے میدان کی حرص کرے گا، اس کے حرص کے منہ کو صرف قبر کی مٹی ہی بھر سکتی ہے۔ (شعب الایمان، حدیث نمبر: 9799) آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ان کلمات کو بار بار دہرانے کا مقصد یہ تھا کہ اہلبیت کو دنیا کی بے ثباتی اور فانی ہونے کا یقین دلوں میں بیٹھ جائے۔

آج یہ دیکھنے میں آیا ہے کہ کسی حد تک مرد حضرات نمازوں کے پابند ہوتے ہیں، تلاوت قرآن اور نوافل کا اہتمام کرتے ہیں، لیکن ان کے گھر میں دین کا ماحول نہیں ہوتا ہے، ان کے بیوی اور بچے فرائض و واجبات سے غفلت اور سستی برتتے ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ سے ہمیں یہ سبق ملتا ہے کہ ہم اپنے گھر والوں کو دیندار بنانے کا اہتمام کریں، انہیں مرضیات خداوندی پر چلنے کی عادت ڈالیں۔

بیوی سے اظہار محبت

بیوی سے محبت و تعلق کا اظہار بھی اس رشتہ کی پختگی اور استحکام میں غیر معمولی اور اہم کردار ادا کرتا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ازواج مطہرات سے وقتاً فوقتاً محبت کا اظہار کرتے ہیں، حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں: ایک مرتبہ میں پانی پی رہی تھی، اتنے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم گھر تشریف لائے اور فرمایا: عائشہ! تھوڑا پانی بچانا، میں نے پانی بچا دیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم قریب آئے اور پوچھا عائشہ! تم نے اپنے ہونٹ کہاں لگائے تھے؟ حضرت عائشہؓ کے بتلانے پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے گلاس کے اسی حصہ پر ہونٹ لگا کر پانی نوش فرمایا۔ (نسائی) ایک روایت میں حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں: میں کھانے کے دوران ہڈی چوستی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم جہاں سے میں نے اس ہڈی کو چوسا ہوتا وہاں منہ رکھ کر ہڈی چوستے۔ (مسند ابویعلی الموصلی، حدیث نمبر: 4771)

مولانا ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ کی زاہدانہ زندگی

سید صاحب کو اللہ تعالیٰ نے بڑے بڑے امتیازات سے سرفراز فرمایا ان کے خصائص اور صفات کسی ایک مد کے اندر جمع ہونا بہت مشکل ہے، میں ایک مرتبہ ایک مہینے تک ان کے پاس رہا ہوں اور وہاں میں نے ایک عجیب بات دیکھی جو مجھے متاثر کرتی رہی وہ یہ بات تھی کہ ان کے ہاں قطعاً نہ لباس کے بارے میں اہتمام تھا اور نہ خوراک کے بارے میں، ایک مہینے کا عرصہ اچھا خاصا ہوتا ہے، میں ان کے گھر پر بھی دس دن رہا ہوں اور بیس دن ان کے ساتھ ندوۃ العلماء میں رہا، ہر جگہ میں نے یہی دیکھا کہ ان کے ہاں خوراک میں اور پوشاک میں کوئی اہتمام نہیں تھا۔

حضرت مولانا ایک مرتبہ مصر تشریف لے گئے، وہاں پہنچے تو ان کا لباس ایک مختصر سا پاجامہ اور ایک مختصر سا کرتہ تھا اور ایک کالے رنگ کی مختصر سی رامپوری ٹوپی تھی، قمیص ان کی بہت سادی ہوتی تھی، مولانا فرماتے تھے کہ میرے لباس کی قیمت ایک روزے کے فدیہ سے زیادہ نہیں تھی، تو مصری علماء نے مجھے اس لباس میں دیکھ کر بہت تعجب کیا کہ آپ اتنے بڑے عالم ہیں اور اتنے بڑے مورخ اور ادیب ہیں اور آپ کا یہ لباس! مثل تو مشہور ہے کہ "الناس باللباس" یعنی لوگوں کی شان لباس کے ساتھ قائم ہے لیکن مولانا نے فرمایا کہ اصل سنت تو یہی ہے کہ لباس میں سادگی ہو اور اسی میں دین کی حفاظت بھی ہے۔ "رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں لباس کے سلسلے میں کوئی خصوصی اہتمام قطعاً نہیں ہوتا تھا، حد جواز میں جو چیز بھی سامنے آجائے اس کو استعمال کرلیا جاتا" تو بہر حال میں کہہ رہا تھا کہ ہمارا ذوق وہ تو بالکل ہی مختلف ہے، فلاں قسم کا کپڑا پہنا جائے گا اور فلاں درزی سے سلائی ہوگی، فلاں تراش خراش اور وضع ہوگی تب ہم اس کو استعمال کریں گے۔ اور یہی حال ہمارے دوسرے معاملات کا بھی ہے کہ ہم مباحات میں انہماک رہتے ہیں۔

اس انہماک کا نتیجہ کیا نکلتا ہے؟ نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ آدمی کو اللہ کے ذکر کی فرصت نہیں ملتی اور اللہ کی یاد سے غافل ہوجاتا ہے اور یہی چیز پھر قساوت قلبی کا بھی ذریعہ بنتی ہے اور اللہ تعالیٰ سے دوری ہوجاتی ہے۔ (مجالس علم وذکر، ج-2)

بیوی کے اعزاء و اقارب کا خیال

ہر انسان کو اپنے اعزاء واقارب سے جذباتی لگاؤ ہوتا ہے، بیوی کی دلی خواہش ہوتی ہے کہ میرا شوہر میرے رشتہ داروں کے ساتھ اچھائی سے پیش آئے اور ان سے بہتر سلوک کرے، حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں: مجھے حضرت خدیجہ پر غیرت آتی تھی، جب کہ میں نے ان کو دیکھا بھی نہیں تھا اور وجہ اس کی یہ تھی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کثرت سے ان کا ذکر کیا کرتے تھے، کبھی بکری ذبح کرتے تو اس کا گوشت حضرت خدیجہؓ کی سہیلیوں میں بھیجا کرتے تھے۔ (بخاری)

اس سے ہمیں یہ سبق ملتا ہے کہ بیوی کے رشتہ داروں کے ساتھ خیرخواہی اور حسن سلوک کرے اور ان کے لئے وقتاً فوقتاً ہدایا بھیجتا رہا کرے، بیوی کے سامنے اس کے رشتہ داروں کی برائی نہ کرے اور نہ ان کی پیٹھ پیچھے غیبت کرے، اس سے زوجین میں محبت بڑھے گی اور ازدواجی رشتہ پائیدار اور پرسکون ہوگا۔

اللہ تبارک وتعالیٰ سے دعا ہے کہ امت مسلمہ کو صحیح اور حق بات سمجھنے کی توفیق نصیب فرمائے اور بحیثیت شوہر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا جو اسوہ مبارکہ ہے اس کو اپنی زندگی کے اندر نافذ کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین ثم آمین۔

ООО

ادارہ

حضرت اُم الفضل لبابۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا

غزوۂ بدر (رمضان المبارک 2ہجری) میں قریش کی ذلت آمیز ہزیمت کی خبر مکہ معظمہ پہنچی تو وہاں گھر گھر صف ماتم بچھ گئی۔ بد بخت ابولہب کی حالت تو دیکھی نہ جاتی تھی۔ فرطِ الم نے اس کو اتنا نڈھال کر دیا کہ چلتے ہوئے قدم لڑکھڑاتے تھے۔ اسی حالت میں وہ لڑائی کے حالات دریافت کرنے کے لئے گھسٹتا گھسٹتا اپنے بھائی عباس بن عبدالمطلب کے گھر پہنچا جو مشرکین کے ساتھ مسلمانوں سے لڑنے گئے تھے اور لڑائی میں شکست کھانے کے بعد مسلمانوں کے قیدی بن چکے تھے۔ وہ حضرت عباسؓ کے گھر جا کر ان کے غلام ابورافعؓ کے قریب بیٹھ گیا جو تیر سازی میں مصروف تھے۔ اتنے میں کسی نے کہا ”وہ دیکھئے ابوسفیان بن حارث (حضورؐ کے عم زاد بھائی اور ابولہب کے بھتیجے جو ابھی مشرف بہ اسلام نہیں ہوئے تھے) بدر سے ابھی ابھی واپس آئے ان سے لڑائی کے حالات معلوم کرنے چاہئیں۔“ ابولہب نے انہیں آواز دی ”بھتیجے ذرا یہاں میرے پاس تو آؤ۔“ وہ آئے تو ابولہب نے پوچھا: برادر زادے! کہو وہاں کیا گزری؟ ابوسفیان کہنے لگے:

”واللہ مسلمانوں کے سامنے ہماری بے بسی کا یہ عالم تھا جیسے مردہ غسال کے سامنے بے بس ہوتا ہے۔ انہوں نے جس کو چاہا جو تہ تیغ کر دیا ور جس کو چاہا اسیر بنالیا۔ ایک عجیب نظارہ ہم نے یہ دیکھا کہ ابلق گھوڑوں پر سوار سفید پوش آدمیوں نے مار مار کر ہمارا بھرتا بنادیا۔ معلوم نہیں یہ کون تھے۔“

ابورافعؓ نے فوراً کہا: ”وہ فرشتے تھے۔“

یہ سن کر ابولہب بھڑک اٹھا اور ابورافعؓ کے منہ پر زور سے ایک طمانچہ رسید کر دیا۔ ابورافعؓ بھی سنبھل کر اس سے گتھم گتھا ہو گئے لیکن کمزور تھے، ابولہب نے انہیں زمین پر دے مارا اور بے تحاشا پیٹنا شروع کر دیا۔ قریب ہی ایک خاتون بیٹھی تھیں وہ اس منظر کی تاب نہ لاسکیں فوراً اٹھیں اور ایک موٹا سا لٹھ لے کر اس زور سے ابولہب کو مارا کہ اس کے سر سے خون کا فوارہ چھوٹ پڑا۔ پھر کڑک کر بولیں: ”بے حیا اس کا آقا یہاں موجود نہیں ہے اور تو اس کو کمزور سمجھ کر مارتا ہے۔“

ابولہب کو اس خاتون کا مقابلہ کرنے کی ہمت نہ پڑی اور وہ کان دبا کر وہاں سے چل دیا۔

یہ غیرت مند اور بہادر خاتون جنہوں نے ابولہب جیسے دشمن اسلام اور دشمن خدا کو ایسی رسوائی اور ذلت سے دوچار کیا، حضرت عباسؓ کی اہلیہ (اور ابولہب کی بھاوج) حضرت لبابۃ الکبریٰؓ تھیں۔ بعض روایتوں میں ہے کہ یہ واقعہ چاہ زمزم کی چار دیواری کے اندر پیش آیا جس کے قریب ہی حضرت عباسؓ کا مکان تھا۔

حضرت لبابہؓ بنت حارث جو بالعموم اپنی کنیت ”اُم الفضل“ سے مشہور ہیں، نہایت جلیل القدر صحابیات میں شمار ہوتی ہیں۔ کبریٰ ان کا لقب ہے۔ اس لئے اہل سیر نے ان کا نام لبابۃ الکبریٰ بھی لکھا ہے۔ ان کا تعلق بنو ہلال سے تھا۔ سلسلۂ نسب یہ ہے:

اُم الفضل لبابۃ بنت حارث بن حزن بن بجیری الحرام بن رویبہ بن عبداللہ بن ہلال بن وامر بن صعصعہ۔ والدہ کا نام ہند (یا خولہ) بنت عوف تھا جو بنو کنعانہ یا حمیر سے تھیں۔

حضرت اُم الفضل لبابہ رضی اللہ عنہا کی شادی عم رسول حضرت عباسؓ بن عبدالمطلب سے ہوئی۔ اس نسبت سے وہ حضورؐ کی چچی تھیں۔ ان کی حقیقی بہن حضرت میمونہ (رضی اللہ عنہا) بنت حارث کو اُم المومنین بننے کا شرف حاصل ہوا۔ اس نسبت سے حضرت اُم الفضل حضور کی خواہر نسبتی بھی ہوتی تھیں۔

حضرت اُم الفضلؓ کی ایک اخیافی بہن حضرت اسماءؓ بنت عمیسؓ کی شادی حضرت جعفر طیارؓ بنت ابی طالب (حضورؐ کے عم زاد بھائی) سے ہوئی۔ ایک تیسری بہن سلمیٰؓ کی

شادی حضورؐ کے دوسرے چچا حضرت حمزہؓ بن عبدالمطلب سے ہوئی۔ لوگ حضرت اُم الفضل کی والدہ ہند بنت عوف پر رشک کرتے تھے کہ سمدھیانے کے لحاظ سے کوئی عورت ان کے ہم پلہ نہیں تھی۔

خواتین میں سب سے پہلے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے کا شرف حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ کو حاصل ہوا۔ ان کے بعد معتبر روایات کی رو سے حضرت ام الفضل لبابہؓ کو اس نعمت عظمیٰ کے حصول کا شرف حاصل ہوا۔ اس لحاظ سے وہ السابقون الاولون میں نہایت ممتاز درجہ رکھتی ہیں۔

حضرت اُم الفضل نے اپنے شوہر حضرت عباسؓ کے (علانیہ) قبولِ اسلام کے بعد مدینہ کی طرف ہجرت کی۔ یہ ہجرت فتح مکہ سے کچھ عرصہ پہلے ہوئی۔

حضرت اُم الفضلؓ بڑی بہادر اور غیرت مند خاتون تھیں۔ چنانچہ ایک موقع پر انہوں نے ابولہب کو لٹھ مار کر اس کا سر کھول دیا۔ (اس کی تفصیل اوپر آچکی ہے) انہیں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے بے حد محبت اور عقیدت تھی اور حضور کو بھی اپنی عمہ محترمہ سے بڑا تعلق خاطر تھا۔ آپ اکثر ان کے گھر تشریف لے جاتے تھے، اگر دوپہر کا وقت ہوتا تو وہیں آرام فرماتے تھے۔ حضرت ام بالفضل حضورؐ کا سر اقدس اپنی گود میں رکھ کر آپ کے بالوں سے گرد یا تنکے وغیرہ دور کرتیں اور ان میں کنگھی کرتیں۔

حضرت اُم الفضلؓ نہایت پرہیز گار اور عبادت گزار تھیں۔ بعض روایتوں میں ہے کہ وہ ہر دوشنبہ اور پنجشنبہ کو بالالتزام روزہ رکھتی تھیں۔ علامہ ابن عبدالبرؒ نے ''استیعاب'' میں لکھا ہے کہ حضورؐ فرمایا کرتے تھے کہ اُم الفضلؓ، میمونہؓ، سلمیٰؓ اور اسماءؓ چاروں مؤمنہ بہنیں ہیں۔

ایک مرتبہ حضرت اُم الفضل رضی اللہ عنہا نے خواب میں دیکھا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے جسد اقدس کا کوئی حصہ ان کے گھر میں ہے۔ انہوں نے اپنا خواب حضورؐ کے سامنے بیان کیا تو آپؐ نے فرمایا: ''اس کی تعبیر یہ معلوم ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ میری لختِ جگر فاطمہؓ کو فرزند عطا کرے گی اور تم اس کو اپنا دودھ پلاؤ گی۔''

کچھ عرصہ بعد حضرت فاطمۃؓ الزہرا کے فرزند حضرت حسین رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے۔ حضرت اُم الفضلؓ نے انہیں اپنا دودھ پلایا اور ان کی کفیل بن گئیں۔ اس لئے سارا خاندان نبوت حضرت اُم الفضلؓ کی بہت عزت وتکریم کرتا تھا۔ ایک دن حضرت اُم الفضلؓ، حضرت حسینؓ کو اپنی گود میں لیے ہوئے حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوئیں۔ آپ نے اپنے پیارے نواسے کو ان کی گود سے لے لیا اور پیار کرنے لگے۔ ننھے حسینؓ نے حضور کی گود میں پیشاب کر دیا۔ حضرت اُم الفضلؓ نے انہیں فوراً حضور کی گود سے لے لیا اور جھڑک کر کہا: ''ارے ننھے یہ تو نے کیا کیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی گود میں پیشاب کر دیا۔''

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اُم الفضلؓ کا اتنا کہنا بھی گوارا نہ ہوا اور آپ نے فرمایا: ''اُم الفضل تو نے میرے بچے کو یونہی جھڑکا جس سے مجھے تکلیف ہوئی۔'' اس کے بعد آپؐ نے پانی منگوا کر لباس مبارک کا پیشاب آلود حصہ دھلوا دیا۔

حجۃ الوداع کے موقع پر حضرت اُم الفضلؓ کو رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہمرکابی میں حج کرنے کا شرف حاصل ہوا۔ صحیح بخاری میں ہے کہ عرفہ کے دن بعض لوگوں نے خیال کیا کہ حضورؐ روزہ سے ہیں۔ جب حضرت اُم الفضلؓ نے دودھ خدمت اقدس بھیجا۔ آپؐ نے دودھ پی لیا، اس سے لوگوں کا شک دور ہو گیا۔

حضرت اُم الفضلؓ نے حضرت عثمان ذوالنورینؓ کے عہد خلافت میں اپنے شوہر (حضرت عباسؓ) کے سامنے ہی وفات پائی۔ نماز جنازہ حضرت عثمانؓ نے پڑھائی۔

حضرت اُم الفضلؓ کے بطن سے حضرت عباسؓ کی سات اولادیں ہوئیں۔ چھ بیٹے فضلؓ، عبداللہؓ، عبیداللہؓ، معبدؓ، قثمؓ، عبدالرحمٰنؓ اور ایک بیٹی اُم حبیبہ۔ ارباب سیر نے لکھا ہے کہ یہ ساری اولادیں نہایت قابل تھیں۔ بالخصوص حضرت عبداللہ اور حضرت عبیداللہؓ نے علم و فضل کے اعتبار سے اتنا بلند مرتبہ حاصل کیا کہ اساطین اُمت میں شمار ہوئے۔ علامہ ابن اثیر نے اسد الغابہ میں لکھا ہے کہ عبداللہ بن یزید الہلالی شاعر نے ایک دفعہ حضرت اُم الفضلؓ کی خوش بختی پر ان اشعار میں فخر کیا۔

(بقیہ......صفحہ......40......پر)

عادل سہیل ظفر

بچوں کا جھوٹ بولنا

اسباب اور علاج

والدین کے لئے وہ وقت بڑا ہی اذیت ناک اور دُکھ بھرا ہوتا ہے جب والدین اپنے بچوں کی اچھی مثبت تربیت کے لئے اپنی تمام تر اچھی صلاحیات اور وسائل کا استعمال کرنے کے بعد یہ دیکھیں کہ اُن کے بچے یا بچوں میں سے کوئی جھوٹ بولتا ہے، لیکن ایسے اکثر والدین یہ نہیں جانتے کہ اُن کے اس اذیت اور دُکھ کے اسباب کیا ہیں؟ اور اس لاعلمی کی بنا پر وہ اپنی صلاحیات اور وسائل کسی مثبت نتیجے کے حصول کی کوشش میں خرچ کرتے رہتے ہیں لیکن مطلوبہ نتیجہ حاصل نہیں کر پاتے۔

کسی بھی کام کو روکنے کے لیے اُس کام کے ہونے کے اسباب جاننا بہت ضروری ہے، اور اُن اسباب کو ختم کرنا ہی ایک ایسا واحد ذریعہ ہے جو اُس کام کو مکمل طور پر ختم کرنے والا ہوتا ہے، باذن اللہ۔

پس، اِن شاء اللہ، اب ہم سب سے ان اسباب کو جاننے کی کوشش کریں گے۔

بچوں کے جھوٹ بولنے کے اسباب

(1) خود کو بچانے کی کوشش

یہ سبب کسی ایسے خاندان کے بچوں کو جھوٹا بنانے کا بنیادی سبب ہے جن خاندانوں میں بچوں کو غلطیاں کرنے پر اُن کو شدید سزائیں دی جاتی ہوں، خواہ بدنی ہوں یا نفسیاتی۔

عموماً ایسے خاندانوں میں باپ یا ماں یا کوئی اور بڑا بزرگ ایسی شخصیت ہوتی ہے جو بات بات پر بلاوجہ اور بلاضرورت ممانعت، پوچھ گچھ، ڈانٹ ڈپٹ کرنے والی ہوتی ہے اور اکثر اوقات مار پیٹ سے بھی گریز نہیں کرتی۔

ایسے حالات میں پلنے والے بچے اپنے آپ کو ایسی بے جا اور ہر وقت کی ممانعت، پوچھ گچھ، ڈانٹ ڈپٹ اور مار وغیرہ سے بچانے کے لئے جھوٹ کا سہارا لینا شروع کر دیتے ہیں۔ خواہ اپنے جھوٹ کے ذریعے کسی اور کو کوئی بھی نقصان پہنچا دیں اور یوں آہستہ آہستہ جھوٹ بولنا اُن کی عادت ہو جاتی ہے۔

(2) تقلید، نقالی

لفظ "تقلید" سے کسی ماتھے پر بل نہ آئے، یہاں تقلید کو کسی فقہی یا اصطلاحی مفہوم میں استعمال نہیں کیا جا رہا بلکہ محض لغوی طور پر استعمال کیا جا رہا ہے، جس کا ایک معنی ہے کسی شخص کی حقائق اور نتائج وغیرہ سے غفلت یا چشم پوشی کرتے ہوئے نقالی کرنا۔

جی، تو یہ تقلید یعنی نقالی بھی کسی بچے کے جھوٹ بولنے اور پھر مستقل طور پر جھوٹ بولنے والا بن جانے کے اسباب میں سے ہے کہ جب وہ اپنے اِرد گرد اپنے بڑوں اور بالخصوص اپنے والدین کو مختلف کاموں کے بارے میں جھوٹ بولتے دیکھتا ہے کہ اُس کے والد یا والدہ اپنی شخصیات کے بارے میں، اپنے مال و جائیداد کے بارے میں اور دیگر کئی معاملات میں جھوٹ بولتے رہتے ہیں، بچہ والدین کی ایسی حرکات دیکھ کر اُن حرکات کو اچھا اور فائدہ مند سمجھنے لگتا ہے اور اُن کا شکار ہو کر جھوٹ بولنے لگتا ہے اور رفتہ رفتہ اُس کا عادی ہو جاتا ہے۔

(3) والدین خود ہی جھوٹ بلواتے ہیں

کبھی والدین یا دونوں میں سے کوئی ایک یا کوئی اور بڑا اپنے آپ کو کسی ممکنہ پریشانی یا ناپسندیدہ کام سے بچانے کے لئے اپنے پاس موجود بچوں کو جھوٹ بولنے کو کہتا ہے۔ مثلاً کسی مہمان کی آمد کے وقت، جسے یہ ملنا نہ

چاہتا ہو بچے سے کہلوانا کہ فلاں گھر پر نہیں۔

(4) ضد

بچے جب اپنے والدین یا بڑوں میں مذکورہ بالا عادات دیکھتے ہیں اور وہی بڑے انہیں جھوٹ سے منع کرتے ہیں اور سچ بولنے کی تلقین کرتے ہیں تو عام انسانی نفسیاتی غلطیوں مثلاً میں کیوں نہ کروں؟ کیا میرا حق نہیں؟ وغیرہ کا شکار ہو کر محض ضد میں آ کر جھوٹ بولتے ہیں۔

(5) غصہ

کسی بچے کو کبھی کبھار جھوٹ بولنے کے سبب بڑوں کی طرف سے جھوٹا ہی کہے جاتے رہنے کی وجہ سے وہ بچہ غصہ میں آ کر انتقامی طور پر واقعتاً جھوٹ بولنے لگتا ہے۔

(6) ذاتی کمائی اور فوائد کیلئے

بچے بھی بڑوں کی طرح اپنی پسند، خوشی اور فائدے والی چیزیں حاصل کرنا چاہتے ہیں، بلکہ بچوں میں یہ خواہش بڑوں کی نسبت زیادہ مضبوط ہوتی ہے اور چونکہ انہیں جھوٹ کے دینی دُنیاوی اور اخروی نقصانات کا بھی درست اور مکمل علم نہیں ہوتا اِس لئے جب وہ دیکھتے ہیں کہ سچ بات کہنے سے وہ اپنے مطلوبہ ہدف کو حاصل نہیں کر سکتے تو جھوٹ کی طرف مائل ہوتے ہیں اور جوں جوں جھوٹ کے ذریعے اُنہیں اپنے اہداف آسانی سے ملنے لگتے ہیں توں توں وہ جھوٹ کی دلدل میں پھنستے چلے جاتے ہیں اور آخر کار مستقل طور پر جھوٹ بولنے والے جھوٹے بن جاتے ہیں۔

(7) سچ اور سچائی کی بارے میں غلط نظریات

بچوں اور بعض اوقات بچوں کے جھوٹے بننے کے بڑے اسباب میں سے ایک سبب یہ بھی ہے کہ معاشرے میں سچے لوگوں کے لئے عام طور پر یہ غلط نظریہ پایا جاتا ہے کہ چونکہ یہ سچے لوگ صاف دِل اور سیدھے سادھے لوگ ہوتے ہیں، اس لئے مضبوط طور پر کاروبار نہیں کر سکتے اور نہ ہی لوگوں سے معاملات نمٹا سکتے ہیں۔ یعنی ٹھیک طرح پبلک ڈیلنگ نہیں کر سکتے، لہٰذا نقصان اٹھاتے ہیں، وغیرہ وغیرہ۔

اس قسم کی باتیں اور نظریات بچوں میں یہ سوچ پیدا کرتی ہیں کہ سچ بولنا گویا کہ ایک کمی اور کمزوری ہے، پس وہ بچے اپنے مادی مقاصد حاصل کرنے اور اپنی شخصیت کو لوگوں میں عقلمند وغیرہ ظاہر کرنے کے لئے جھوٹے بن جاتے ہیں۔

مذکورہ بالا اسباب کو جاننے کے بعد اب ان شاء اللہ ہم یہ دیکھتے ہیں کہ ان اسباب کو کس طرح ختم کیا جا سکتا ہے یا کس طرح روکا جا سکتا ہے؟

بچوں میں جھوٹ بولنے کی بیماری کا علاج

(1) بچے کو جھوٹ بولنے کے اسباب سے محفوظ رکھنا

(2) اگر وہ کبھی جھوٹ بولے تو اُس کو اُس سے منع کرنا اور جھوٹ کے دینی اور دُنیاوی اور اُخروی نقصانات کے بارے میں سمجھانا۔ ان دو کاموں کو مکمل اور درست طور پر کرنے کے لئے مندرجہ ذیل کام کرنا لازمی ہیں:

(1) بچے کے لئے کوئی مثالی شخصیت (آئیڈیل) یا شخصیات مہیا کرنا

بچے کو ذہنی طور پر کسی ایسے بہترین کردار کے ساتھ منسلک کرنا جس کی زندگی کا ہر پہلو اُس بچے کو اپنی معاشرتی اور ذاتی زندگی کے ہر کام کو اعلیٰ ترین اخلاق کے معیار کے مطابق کرنے پر مائل رکھے اور دُنیا کے فوائد سے پہلے آخرت کے فوائد کی سوچ میں مگن رکھے۔

بلا شک و تردّد ایسی مثالی شخصیات میں سب سے مکمل ترین شخصیت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہے اور اُن کے بعد تمام تر انبیاء اور رسول علیہم السلام، اور پھر صحابہ رضی اللہ عنہم اور پھر مسلمانوں میں سے تقویٰ والے نیکوکار لوگ ہیں۔ لہٰذا اپنے بچوں کو ایسی تربیت دی جانی چاہئے جس کے نتیجے میں وہ مذکورہ بالا مقدس اور نیک ہستیوں کو اپنا آئیڈیل بنائیں نہ کہ اُن لوگوں کو جو بظاہر تو کچھ دُنیاوی اچھائیوں کا مظہر ہوں، یا دُنیاوی معیار کے مطابق جاذبیت والے ہوں، لیکن حقیقتاً گناہوں اور برائیوں کے پیامبر ہوں۔

(2) اپنا کردار بھی ایک سچے انسان کی طرح پیش کرنا

والدین اور بڑوں کو چاہیۓ کہ وہ اپنی شخصیات کو بھی ایک سچے انسان کی طرح بچوں کے سامنے پیش کریں، اس سلسلے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا درج ذیل واقعہ بہت واضح تعلیم اور تربیت والا ہے۔ عبداللہ ابن عامر رضی اللہ عنہ کا کہنا ہے کہ ایک دفعہ میری والدہ نے مجھے بلاتے ہوۓ پکارا" یہاں آؤ میں تمہیں کچھ دوں گی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمارے گھر میں تشریف فرما تھے اُنہوں نے (میری والدہ کی یہ بات سن کر) ارشاد فرمایا: تم اُسے کیا دینے کا ارادہ رکھتی ہو؟ اُم عبداللہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا: میں اُسے کھجور دوں گی، تو اِرشاد فرمایا اور اگر تم نے اُسے کھجور نہ دی تو تم پر ایک جھوٹ لکھ دیا جاۓ گا۔(سنن ابوداؤد حدیث:4991، کتاب الادب باب 88، السلسلۃ الاحادیث الصحیحۃ حدیث:748)

اس حدیث شریف میں ہمیں بڑی وضاحت سے یہ سبق مل جاتا ہے کہ بچوں کے ساتھ بھی مذاق میں بھی جھوٹ نہیں بولا جانا چاہیۓ اور نہ ہی انہیں کسی کام کے کرنے کے انعام کے بارے میں کوئی جھوٹا وعدہ کیا جانا چاہیۓ۔

(3) نصیحت آموز واقعات

بچوں کو ایسے سچے واقعات سناۓ اور پڑھاۓ جانے چاہئیں جو سچ کی اچھائی اور دنیا اور آخرت میں اُس کے فوائد کے بارے میں ہوں، اور جھوٹ کی برائی اور مذمت اور دُنیا اور آخرت میں اُس کے نتیجے میں ظاہر ہونے والی ذلت اور نقصانات کے بارے میں ہوں۔

(4) بچے کی دیکھ بھال کرتے رہنا

بچے کی دیکھ بھال یوں بھی کی جانی چاہیۓ کہ اس بات کا خیال رکھا جاۓ کہ بچہ گھر میں اور مدرسے میں اور اپنے بھائیوں بہنوں اور دوستوں کے ساتھ کس قدر سچ اور جھوٹ والا رویہ رکھتا ہے۔

(5) بچے کی نفسیات کا خیال رکھنا

بچے کی نفسیات پر بھی گہری نظر رکھی جاۓ کہ وہ کیا پسند کرتا ہے اور کس چیز سے نفرت کرتا ہے؟ اور اُس پسند اور نفرت کے بنا پر اُس کے اقوال میں کہاں اور کس قدر سچ اور جھوٹ شامل ہوتا ہے؟ اور پھر اُس کے مطابق اُس کی تربیت کی جاۓ کہ وہ مثبت چیزوں کو پسند کرے اور منفی اثرات مرتب کرنے والی چیزوں سے نفرت کرے۔

(6) حوصلہ افزائی اور حوصلہ شکنی کرنا

بچے کے روزمرہ معمولات کو دیکھا جاتا رہے، جہاں کہیں اُس کے سچ بولنے کا پتہ چلے اُس کی خوب اچھے طور پر حوصلہ افزائی کی جاۓ اور جھوٹ بولنے پر اُس کو سمجھایا جاۓ اور مثبت طریقہ پر اُس کی حوصلہ شکنی کی جاۓ، یہاں تک کہ وہ اُس بات پر مضبوطی سے قائم ہو جاۓ کہ اُسے کسی بھی صورت میں جھوٹ نہیں بولنا، سچ ہی بولنا ہے، اور دُنیا میں اور اپنے اللہ کے سامنے سچا بننا ہے۔

(7) صحیح اسلامی عقیدے کی تعلیم

اُن مذکورہ بالا باتوں سے پہلے اور بعد میں یہ کہ بحیثیت مسلمان ہمیں اپنے بچوں کو بالکل آغاز سے ہی صحیح اِسلامی عقیدہ سکھاتے رہنا چاہیۓ۔ اللہ تبارک و تعالیٰ کی ذات اور صفات کی پہچان کرواتے رہنا چاہیۓ سچ بولنے پر اللہ کے انعامات اور جھوٹ بولنے پر اللہ تعالیٰ کے عذاب کی خبر سناتے رہنا چاہیۓ، اور یہ خیال نہیں کرنا چاہیۓ کہ ابھی تو چھوٹے ہیں یہ ان باتوں کو کیا سمجھیں گے؟

جی ہو سکتا ہے وہ اُسی وقت تو نہ سمجھ سکیں لیکن چھوٹی عمر میں حاصل کیا گیا علم پتھر کی لکیر کے مانند ہوتا ہے، لہٰذا زندگی میں کبھی نہ کبھی کہیں نہ کہیں وہ باتیں اُنہیں یاد آئیں گی اور عین ممکن ہے اُنہیں برائی اور گناہ سے بچنے اور اچھائی اور نیکی کی راہ پر چلنے کا سبب بن جائیں۔ پس ہمیں اپنی اولاد کی شخصیات کو پہلے ہی دن سے اللہ عزوجل اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تابع داری کی تربیت دیتے ہوۓ بنانا چاہیۓ، اِن شاء اللہ جھوٹ سے محفوظ رہیں گے۔ ○○

مولانا محمد غیاث الدین حسامی

خواتین اور انفاق فی سبیل اللہ

مال کو قرآن کریم میں اللہ تبارک و تعالیٰ نے فتنہ اور خیر دونوں فرمایا ہے، انسان کے استعمال کے اعتبار سے اس میں خیر یا شر پیدا ہوتا ہے، اگر اس کا استعمال خود اپنی صحیح حاجتوں اور ضرورتوں میں یا دوسروں کی حاجتوں کی تکمیل میں، یتیموں اور بیواؤں کی حاجت روائی میں یا ہر اس کام میں خرچ کیا جو دین کی ترقی میں معین و مددگار ہو تو خیر ہی خیر ہے، اس کے برخلاف یا تو اس کا استعمال بالکل ہی نہ ہو یا ہو تو ایسی جگہوں میں جو بدی اور گناہ کے کام ہیں تو اس میں شر ہی شر ہے، اسی لئے اللہ تعالیٰ نے مال کو نیکی اور ثواب والے اعمال میں خرچ کرنے کی بہت تاکید کی ہے اور اسے خرچ نہ کرنے کی بہت سخت وعید سناتے ہوئے فرمایا کہ "وہ لوگ جو مال کو جمع کئے رکھتے ہیں اور اسے اللہ کے راستہ میں خرچ نہیں کرتے ہیں تو آپ انہیں دردناک عذاب کی خوشخبری سنا دیجئے، اس دن اسی مال کو آگ میں تپا کر ان کی پیشانیوں اور بازوؤں اور پیٹھوں کو داغا جائے گا اور ان سے کہا جائے گا کہ یہ تمہارا مال ہے جسے تم (اللہ کے راستے میں خرچ نہ کرکے) جمع کئے رکھتے تھے (سورۃ التوبہ 35-34)

اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ایسے لوگوں کے بارے میں ارشاد فرمایا کہ کل قیامت میں ان کے مال کو اژدھے سانپ کی شکل دی جائے گی اور وہ ان لوگوں کو ڈستا جائے گا جس کی وجہ سے وہ لوگ سخت تکلیف میں ہوں گے۔ (بخاری باب اثم مانع الزکوٰۃ، حدیث نمبر 1403)

یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ مال کی برکت اللہ کے حکم کے مطابق خرچ کرنے میں پوشیدہ ہے، مال جتنا اللہ کے حکم کے مطابق خرچ ہوگا اتنا ہی اس میں اضافہ ہوگا، اس لئے اللہ اور اس کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زکوٰۃ اور صدقات وغیرہ کو مال میں اضافہ کا ذریعہ بتلایا ہے، قرآن مجید میں اللہ نے ارشاد فرمایا: وہ لوگ جو اپنے مال کو خرچ کرتے ہیں ان کی مثال اس دانہ کی طرح ہے جو سو بالیاں اُگائے اور ہر بالی میں سو دانے ہوں، اللہ جسے چاہتا ہے دوگنا عطا کرتا ہے اور اللہ کشادگی رکھنے والا اور جاننے والا ہے۔ (البقرۃ: 261) اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے کسی مومن کی دنیاوی مصیبتوں میں سے کوئی مصیبت دور کی تو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کی تکلیف کو دور کردے گا، اور اللہ تعالیٰ اس وقت تک بندوں کی مدد میں لگا رہتا ہے جب تک بندہ اپنے بھائی کی مدد کرتا رہتا ہے۔ (مسلم شریف، باب فضل الاجتماع علی تلاوۃ القرآن، حدیث نمبر 2699) اس کے برخلاف بخل میں بے برکتی ہے اور اس سے مال منجمد رہتا ہے، اضافہ نہیں ہوتا، اور بخیل شیطانی دھوکہ میں ہوتا ہے کہ خرچ کرنے سے مال کم ہوتا ہے، اور اللہ تعالیٰ کی جانب سے عذاب مہین کا شکار ہوتا ہے، جیسا کہ کتاب مبین میں ہے، وہ لوگ جو بخل کرتے ہیں اور لوگوں کو بخل کا حکم بھی دیتے ہیں اور اللہ کے دیئے ہوئے مال کو چھپاتے ہیں تو ہم نے ایسے نافرمانوں کے لئے ذلت والا عذاب تیار کر رکھا ہے۔ (النساء: 37)

سلف صالحین کے بہت سارے اقوال اور واقعات تاریخ کے اوراق میں محفوظ ہیں جن سے ضرورت مندوں کی مدد اور تعاون کی اہمیت وفضیلت کا پتہ چلتا ہے، امام حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ مجھے حاجت مند مسلمان کی کوئی حاجت پوری کرنا ایک ہزار رکعت نماز پڑھنے سے زیادہ محبوب ہے، اور کسی بھائی کی حاجت روائی مجھے دو ماہ کے اعتکاف سے زیادہ پسندیدہ ہے۔

(قضاء الحوائج لابن ابی لادنیا، ص:48)
حضرت مرداس بن حدیرؓ فرماتے ہیں کہ: اے کاش میری دو جانیں ہوتیں، ایک جان اللہ کی راہ میں جہاد کرتی اور دوسری مسلمانوں کی ضروریات پوری کرنے کی کوشش کرتی، امام ابن حبانؒ فرماتے ہیں کہ ضرورت مندوں کی حاجتیں پوری کرنے کا ادنیٰ ترین فائدہ یہی ہے کہ ایسا شخص لوگوں کی تعریف کا مستحق بن جاتا ہے۔
(مثالی خاتون، ص:140)
حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ کسی مسلمان گھرانے کی ایک مہینہ یا ایک ہفتہ یا جتنی دیر اللہ چاہے، کفالت کرنا اور ان کی ضروریات پوری کرنا مجھے پے در پے حج کرنے سے زیادہ محبوب ہے (صفۃ الصلوۃ لابن الجوزی، تذکرہ عبداللہ بن عباسؓ 1/298) اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں کی یہ خصوصی صفت ہوتی ہے کہ وہ اپنے مال کا بیشتر حصہ اللہ تعالیٰ کے راستہ میں صرف کرتے ہیں۔
راہِ خدا میں مال و دولت اور اپنی قیمتی چیزوں کو خرچ کرنے میں جہاں مرد آگے رہے وہیں اس صفت محمودہ کو اپنانے میں عورتیں پیچھے نہیں رہیں، وہ بھی حسب استطاعت اللہ کے راستہ میں مال و دولت خرچ کرتی رہی ہیں، دورِ نبوت اور قرونِ اولیٰ کی خواتین کا جذبۂ انفاق مثالی رہا ہے، دین کی ترقی اور اپنی آخرت و عاقبت بنانے کے لئے جہاں انہوں نے اپنی جان وتن کو لگایا وہیں اپنے مال و دولت کے ذریعہ اس کی آبیاری کی ہے، وقت پڑنے پر اپنے آپ کو انہوں نے بھوک اور پیاس کی تکلیف میں ڈال کر دوسروں کی ضرورتوں کو پورا کیا، انہی برگزیدہ اور ستودہ صفات خواتین کے کچھ واقعات ذکر کئے جارہے ہیں جس کی روشنی میں موجودہ دور کی خواتین اپنے اندر وہ ہمت و استقلال اور جذبۂ انفاق پیدا کریں جو دین اسلام کی آبیاری اور ترقی میں مددگار ثابت ہو، اور دنیا کی محبوب اور پسندیدہ چیزوں کو دین کی حفاظت اور اشاعت کی خاطر چھوڑنا آسان ہو۔
دورِ نبوت میں امّ المومنین حضرت خدیجہؓ پاکیزہ اخلاق اور ستودہ صفات کی مالک تھیں، اسی کے ساتھ وہ ایک ماہر تجارت پیشہ خاتون تھیں، جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق حمیدہ کے چرچے تمام مکہ میں ہونے لگے اور اس کا تجربہ انہوں نے ایک تجارتی قافلے کے ذریعہ کیا، اور اپنے غلام سے ساری روداد سننے کے بعد انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پیغام نکاح دیا اور اس طرح وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح میں آئیں، اس کے بعد سے حضرت خدیجہؓ اپنا مال آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات پر خرچ کیا کرتی تھیں، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر ضرورت کا خیال رکھا کرتی تھیں، حضرت خدیجہؓ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح میں آنا جہاں اپنے لئے باعث خوشی سمجھتی تھیں وہیں اپنا مال آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر خرچ کرنا باعث ثواب جانتی تھیں، اسی لئے اپنی آخری عمر تک آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر طرح سے مدد کرتی رہیں۔
امّ المومنین حضرت سودہ بنت زمعہؓ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دوسری بیوی ہیں، بے حد سخیہ اور نہایت رحمدل خاتون تھیں، دستکاری اور کھالوں کی دباغت کے ذریعہ اپنے معاش کا انتظام کرتی تھیں، اور اپنی آمدنی کا اکثر حصہ نہایت دریادلی کے ساتھ اللہ کے راستہ میں خرچ کردیا کرتی تھیں، حضرت عمرؓ ایک مرتبہ ان کے پاس کچھ مال ہدیہ میں بھیجا تو انہوں نے لانے والے صاحب سے پوچھا کہ اِس میں کیا ہے؟ ان سے کہا گیا کہ اس میں درہم ہیں تو اسی وقت انہوں نے تمام درہموں کو تقسیم کردیا جس طرح کھجوریں تقسیم کی جاتی ہیں۔
آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سب سے چہیتی بیوی امّ المومنین حضرت عائشہ صدیقہ بے انتہا مہمان نواز اور حد درجہ کی فیاض تھیں اور جو کچھ مال ہاتھ آتا اسے غریبوں میں تقسیم کردیتی تھیں، آپ کی دریادلی کی کوئی حد متعین نہیں تھی، اس لئے آپ کے بھانجے حضرت عبداللہ بن زبیرؓ امّ المومنین کی فیاضی کو دیکھ کر کبھی کبھی گھبراتے جاتے

ایک مرتبہ انہوں نے آپ کو اس سخاوت سے روکنے کا ارادہ کیا اس کا علم جب حضرت عائشہؓ کو ہوا تو ان سے سخت ناراض ہوئیں اور قسم کھالیں کہ عبداللہ بن زبیرؓ سے کبھی بات نہیں کروں گی، جب یہ معاملہ طول پکڑا تو عبداللہ بن زبیرؓ بہت پریشان ہوئے اور حضرت مسعود بن مخرمہؓ اور عبدالرحمٰن بن اسودؓ کے ذریعہ اپنی غلطی معاف کروائی، حضرت عائشہؓ نے ان کی غلطی معاف کی اور اپنی قسم توڑنے کے کفارے میں چالیس غلام آزاد کئے۔ (بخاری، باب مناقب قریش، حدیث نمبر 3505)

حضرت عائشہؓ نے اپنا مکان امیر معاویہؓ کے ہاتھ فروخت کردیا اور اس سے حاصل ہونے والی رقم تمام غریبوں میں تقسیم کردیا، یہی عبداللہ بن زبیرؓ نے ایک مرتبہ حضرت عائشہؓ کے پاس ایک لاکھ درہم بھیجے، انہوں نے اسی وقت سب غریبوں اور محتاجوں میں تقسیم کردیا، حضرت عروۃ بن زبیرؓ کہتے ہیں کہ ایک دفعہ حضرت عائشہؓ کے پاس ستر ہزار درہم کہیں سے آئے تو انہوں نے میرے سامنے کھڑی کھڑی ساری رقم اللہ کی راستے میں خرچ کردیا اور آخر میں اپنا دوپٹہ جھاڑ دیا۔ ایک دن حضرت عائشہؓ روزے سے تھیں اور گھر میں روٹی کے سوا کچھ نہ تھا، اتنے میں ایک حاجت مند نے آکر سوال کیا، انہوں نے باندی کی حکم دیا کہ یہ روٹی اس حاجت مند کو دے دو، باندی نے کہا کہ شام کو افطار کس چیز سے کریں گی تو آپؓ نے کہا پہلے اسے دے دو، جب شام ہوئی تو کسی نے گوشت ہدیہ میں بھیجا تو حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ دیکھو اللہ نے روٹی سے بہتر نعمت عطا فرمائی ہے۔ (مؤطا امام مالکؒ)

امّ المساکین حضرت زینب بنت خزیمہؓ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ بیوی ہیں جو اپنی دریادلی اور فیاضی کی وجہ سے تمام ازواج میں ایک ممتاز مقام رکھتی تھیں، ہر وقت لوگوں کی حاجت روائی کے لئے تیار رہتی تھیں، ضرورت مندوں کی ضرورت پوری کرنا اور بھوکوں کو کھانا کھلانا ان کی عادت سی بن گئی تھی، اسی لئے وہ امّ المساکین کے لقب سے مشہور ہوئیں۔ (الاصابۃ: 8/94) ان کی سخاوت کی طرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اشارہ کیا کہ میرے بعد تم میں سے جس کے ہاتھ لمبے ہیں وہ مجھ سے سب سے پہلے ملے گی، حضرات امہات المومنین نے اپنے اپنے ہاتھوں کو ناپنا شروع کیا، حضرت سودہؓ کے ہاتھ سب سے لمبے تھے، لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سب سے پہلے حضرت زینبؓ کی وفات ہوئی تب ازواج مطہرات کو پتہ چلا کہ لمبے ہاتھ سے مراد سخاوت تھی، چنانچہ حضرت زینبؓ کی وفات پر حضرت عائشہؓ نے کہا تھا کہ آج ایسی خاتون گذر گئیں جو بڑی پسندیدہ اوصاف والی یتیموں اور بیواؤں کا ٹھکانہ تھیں۔ (سیرت مصطفیٰ، ص: 324)

حضرت ام سلمہؓ کے والد ایک دولت مند اور بے حد سخی آدمی تھے، ان کے در سے کوئی بھی سائل خالی ہاتھ نہیں جاتا تھا، ان کے دسترخوان پر ایک وقت میں کئی لوگ ہوا کرتے تھے، حضرت امّ سلمہ بھی اپنے والد کی طرح بڑی فیاض اور سخیہ تھیں، ان کے گھر سے بھی کوئی حاجت مند خالی ہاتھ چلا جائے یہ ناممکن تھا، اگر اپنے پاس زیادہ نہ ہوتا تو جو کچھ ہوتا وہی عطا کردیتیں، اور دوسروں کو بھی اللہ کے راستہ میں خرچ کرنے کی ترغیب دیتی تھیں، ایک مرتبہ عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے ان سے کہا کہ اماں جان! میرے پاس اس قدر مال جمع ہوگیا ہے کہ اب کسی چیز کا خوف نہیں رہا، تو انہوں نے فرمایا: بیٹا اسے اللہ کی راہ میں خرچ کردو، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بہت سے صحابہ ایسے ہیں جو مجھ کو میرے بعد پھر کبھی نہیں دیکھیں گے۔ (مسند احمد، حدیث امّ سلمہؓ زوج النبی صلی اللہ علیہ وسلم، حدیث نمبر 26694) ایک مرتبہ چند فقراء جن میں عورتیں بھی تھیں، ان کے پاس آکر سوال کرنے لگیں، اس وقت امّ الحسن بھی بیٹھی ہوئی تھیں، انہوں نے حاجت مندوں کو ڈانٹا تو امّ سلمہؓ نے کہا ہمیں اس کا حکم نہیں دیا گیا ہے، اس کے بعد اپنی باندی

سے کہا کہ ان کو کچھ دے دو اگر کچھ نہ ہو تو ایک ایک کھجور ہی ان کے ہاتھ میں رکھ کر انہیں رخصت کر دو۔

(سیر الصحابیات، ص:70)

حضرت میمونہؓ کو اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لئے باندیوں اور غلاموں کو آزاد کرنے کا بہت شوق تھا، اس عمل پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم انہیں دعا بھی دیا کرتے تھے، بسا اوقات اس کے لئے قرض لینے کی بھی نوبت آجاتی تھی، ایک دفعہ بہت زیادہ قرض لے لیا تو کسی نے پوچھا: امّ المومنین اتنی زیادہ رقم کی ادائیگی کیسے ہوگی؟ کہنے لگیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ جو شخص قرض ادا کرنے کی نیت رکھتا ہے، اللہ تعالیٰ خود اس کا قرض ادا کرنے کے اسباب مہیا کر دیتا ہے۔ (مسند احمد، باب مسند میمونہ بنت الحارث، حدیث نمبر 26840)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی چہیتی بیٹی حضرت فاطمہ الزہراؓ باوجود فقر و فاقہ کے سخاوت کا دریا بہاتی تھیں، خود کو تکالیف میں ڈال کر دوسروں کی راحت کا سامان مہیا کرتی تھیں، ایک دن بنوسلیم کا ایک آدمی مسلمان ہوا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دین کی ضروری باتیں بتانے کے بعد پوچھا کہ تیرے پاس کچھ مال بھی ہے؟ اس نے کہا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پورے قبیلہ میں میں ہی سب سے زیادہ غریب ہوں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہؓ کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا کہ تم میں سے کون اس کی مدد کرے گا، حضرت سعد بن عبادہؓ نے کہا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس ایک اونٹنی ہے جو میں اس کو دیتا ہوں، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم میں سے کون ہے جو اس کا سر ڈھانک دے؟ حضرت علیؓ نے اپنا عمامہ اتار کر اس کے سر پر باندھ دیا، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میں سے کون اس کے کھانے کا انتظام کرے گا؟ حضرت سلمان فارسیؓ کھڑے ہوئے اور اس نو مسلم اعرابی کو ساتھ لے گئے اور اس کی خوراک کا انتظام کرنے لگے، حضرت فاطمہؓ کے گھر جا کر دروازہ پر دستک دی، اور اس مسکین کے کھانے کی درخواست کی، اندر سے حضرت فاطمہؓ نے جواب دیا کہ آج ہم تمام گھر والوں کا تیسرا دن کا فاقہ ہے، دونوں بچے بھوکے سوئے ہوئے ہیں، لیکن میں آپ کو خالی ہاتھ واپس نہیں جانے دوں گی، یہ میری چادر ہے اسے لے جا کر فلاں یہودی کے پاس بیچ دو، پھر اس سے اس غریب کے کھانے کا انتظام کر دو، حضرت سلمان فارسیؓ بہت حیران ہوئے اور وہ چادر لے کر یہودی کے پاس گئے اور سارا ماجرا اسے سنایا، یہودی کہنے لگے کہ اے سلمانؓ! تم گواہ رہو کہ میں فاطمہؓ کے باپ پر ایمان لایا، اس کے بعد حضرت سلمان فارسیؓ کو کچھ اناج بھی دیا اور وہ چادر بھی واپس کر دی، حضرت فاطمہؓ نے اپنے ہاتھ سے نو مسلم اعرابی کے لئے کھانا تیار کیا حضرت سلمان فارسیؓ نے کہا: اس میں سے کچھ بچوں کے لئے بھی رکھ لیجیے تو فاطمہؓ نے کہا جو چیز اللہ کی راہ میں دے چکی ہوں وہ میرے بچوں کے لئے جائز نہیں ہے، اسی واقعہ کو شاعر مشرق علامہ اقبال نے شعر میں یوں بیان کیا ہے۔

بہر محتاجے دلش آں گو نہ سوخت
یا یہودے چادرِ خود را فروخت

حضرت سلمان فارسیؓ وہ روٹی لے کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم روٹی اعرابی کے حوالے کر کے حضرت فاطمہؓ کے پاس تشریف لائے، ان کے سر پر دست شفقت پھیرا اور ان کے لئے دعا کی، ایک مرتبہ حضرت علیؓ ساری رات ایک باغ میں کام کیا اور اجرت میں تھوڑی جَو حاصل کی، حضرت فاطمہؓ نے اسے پیس کر روٹی پکائیں، جب کھانے کے لئے بیٹھے تو اسی وقت ایک مسکین سوالی بن کر آیا، حضرت فاطمہؓ نے وہ سارا کھانا اسے دے دیا، پھر تھوڑا اناج لے کر روٹی پکائیں، عین کھانے کے وقت پھر ایک سائل نے دست سوال دراز کیا، حضرت فاطمہؓ نے پھر تمام کھانا اسے دے دیا، پھر باقی اناج لے کر روٹی پکائیں،

تیسری بار بھی ایک سائل نے سوال کیا تو اسے بھی دیا پھر تمام گھر والوں کا اس دن فاقہ میں گذارا۔

حضرت اسماء بنت ابی بکرؓ کی ابتدائی حالت کچھ بہتر نہ تھی، اس وقت وہ ہر چیز اندازے سے خرچ کیا کرتی تھیں، ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا کہ ناپ تول کر خرچ نہ کرو، ورنہ اللہ تعالیٰ بھی ناپ تول کر دے گا۔(الطبقات الکبریٰ، باب اسماء بنت ابی بکرؓ، سلسلہ نمبر: 4198) اس وقت سے حضرت اسماء وسعت کے ساتھ خرچ کرنے لگیں، اللہ تعالیٰ نے ان کے مال میں برکت عطا فرمائی، کچھ ہی دنوں میں مال کی فراوانی ہوئی، آسودہ حالی کے بعد تو ان کی سخاوت میں اور اضافہ ہوگیا، وہ اپنی دولت کو نیک اور خیرات کے کاموں میں دل کھول کر خرچ کرتی تھیں، جب بھی بیمار ہوتی تو غلاموں کو آزاد کردیتیں (سیر الصحابیات، ص:156) حضرت عبداللہ بن زبیرؓ فرماتے ہیں کہ میں نے ان سے بڑھ کر کسی کو زیادہ سخیہ نہیں دیکھا، حضرت عائشہؓ کے ترکہ میں سے انہیں ایک باغ وراثت میں آیا تھا، انہوں نے اسے بھی فروخت کرکے سارا مال غریبوں اور محتاجوں میں تقسیم کردیا۔(بخاری، باب ہبۃ الواحد للجماعۃ، حدیث نمبر:2602) حضرت زبیرؓ انہیں خرچ کے لئے بہت کم مال دیا کرتے تھے، ایک مرتبہ حضرت اسماء نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ کیا میں بغیر اجازت ان کے مال میں سے خرچ کرسکتی ہوں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اجازت دی، حضرت اسماء اپنی اولاد کو بھی ہمیشہ یہی تاکید کرتی تھیں کہ مال جمع کرنے کے لئے نہیں ہوتا، بلکہ حاجت مندوں کی امداد کے لئے ہوتا ہے، اگر تم بخل کروگے اور اللہ تعالیٰ کے راستہ میں خرچ نہیں کروگے تو اللہ بھی تمہیں اپنے فضل وکرم سے محروم رکھے گا، ہاں جو صدقہ کروگے وہ تمہارے کام آئے گا۔

موجودہ دور کی خواتین میں اس طرح کا جذبہ کم ہوتا جارہا ہے، آج اس ماحول میں عورتوں کا مزاج تو کچھ عبادت، نماز، روزہ کا دیکھا جاتا ہے، مگر تن، من، دھن اللہ کے راستہ میں لگانے کا مزاج بالکل نہیں کے برابر ہے، اس لئے عورتیں بھی اپنی وسعت کے مطابق زکوٰۃ واجبہ اور کچھ نفلی صدقات کے ساتھ اپنی فکری صلاحیتوں، اپنی دلی خواہشوں اور اپنے قیمتی اوقات کو اللہ کے دین کی حفاظت اور اس کی سربلندی کے لئے خرچ کرتی رہیں، اور دین کے ہر تقاضہ کو اپنی ہمت وطاقت اور حدودِ شرعیہ کی پاسداری کے ساتھ پورا کرتی رہیں، تاکہ اس کے ذریعہ اپنی آخرت سنور جائے اور وہاں سرخرو ہوسکیں۔

○○○

ضروری اعلان

محترم قارئین کرام!

جن لوگوں کا سالانہ چندہ ختم ہوگیا ہے اور بعض لوگوں کا کئی کئی سال کا بقایا ہے، ان سے گذارش ہے کہ جلد از جلد بقایا رقم ادا فرمادیں، اس وقت ادارے کو رقم کی سخت ضرورت ہے نیز اگر رسالہ جاری رکھنے کا ارادہ نہ ہو، مطلع کردیں تاکہ ادارے کا مزید نقصان نہ ہو۔

جو حضرات دفتر سے معلومات حاصل کرنا چاہتے ہوں وہ ۲/بجے سے شام ۵/بجے تک فون پر رابطہ کرسکتے ہیں۔ جمعہ کے دن دفتر بند رہتا ہے۔

دفتر کھلنے کا وقت ۲/بجے سے ۵/بجے تک ہے، دیگر اوقات میں فون نہ کریں۔

رابطہ کیلئے : Mobile : 9415911511

قرآن مجید اور ہمارا رویہ

عبدالملک

ایک کتاب کے مطالعہ کے دوران ایک جملہ مطالعہ میں آیا جس میں فرمایا گیا ہے کہ ''غیر نماز میں قرآن مجید کی تلاوت فرض نہیں ہے۔'' اس میں شک نہیں کہ اس کتاب میں تلاوت کی اہمیت ظاہر کی گئی ہے اور اس بات میں بھی کوئی شک نہیں کہ کتاب اللہ کی تلاوت ان کے مضمون کے مطابق، فرض نہیں، جس طرح نماز، روزہ اور دوسرے دیگر فرائض فرض ہیں۔ اس کے باوجود اللہ تعالیٰ کے کلام کی تلاوت فرض سے کم تو بالکل بھی نہیں ہے کیونکہ بالکلیہ طور پر قرآن مجید کو چھوڑ دینے کی اللہ تعالیٰ نے مذمت فرمائی ہے: ''اور رسول کہیں گے کہ اے میرے پروردگار! بے شک میری امت نے اس قرآن کو چھوڑ رکھا تھا۔ اور اسی طرح ہم نے ہر نبی کے دشمن بعض گناہگاروں کو بنادیا ہے اور تیرا رب ہی ہدایت کرنے والا اور مدد کرنے والا کافی ہے۔'' (سورۃ الفرقان:31-30)

اگر چہ قرآن مجید کے سیاق سے کفار اور رسولوں اور ان کی رسالتوں کو جھٹلانے والے دشمنوں کے سلسلہ میں یہ آیت وارد ہوئی ہے تاہم اس سے یہ رہنمائی بھی نکلتی ہے کہ قرآن مجید کو چھوڑ دینا کفار کے اعمال اور ان کی شان وطریقہ میں سے ہے، اور جو کوئی اس کتاب کو کامل طور پر چھوڑے رکھے اور اس پر ایمان نہ رکھے، اس کی تلاوت اور اس کے احکام پر عمل نہ کرے تو وہ کافر ہے اور اسی کے سلسلہ میں یہ آیت ثابت ہوتی ہے اور روز قیامت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایسے ہی لوگوں کے بارے میں شکایت فرمائیں گے۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے فرمایا: ''جس نے قرآن مجید کو چھوڑے رکھا تو وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمنوں میں سے شمار ہوگا۔

(مجموع فتاویٰ 4/106)

اس طرح جو شخص جس قدر قرآن مجید کی تلاوت یا اس میں تدبر و تفکر یا اس پر عمل کرنے میں کوتاہی برتے گا، تو وہ اسی قدر قرآن کی اس آیت کا مصداق ہوگا اور اگر وہ اس کے تئیں انتہاء درجہ روگردانی کا رویہ اپنائے تو اس کے دل سے قرآن کی مٹھاس و چاشنی چھین لی جاتی ہے اور اس کے بعد اس کو کبھی سکون وراحت نصیب نہ ہوگی۔

دین کی اساس، قرآن مجید اور اللہ تعالیٰ کے آخری رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں پر موقوف ہے۔ قرآن مجید، اللہ تعالیٰ کا نازل کردہ آخری پیغام، ساری انسانیت کے لئے قیامت تک کا دستور حیات اور پیغام ہے۔ اس سلسلہ میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے: حارث اعورؒ کہتے ہیں کہ مسجد میں گیا تو کیا دیکھتا ہوں کہ لوگ گپ شپ اور قصہ کہانیوں میں مشغول ہیں، میں علی رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچا۔ میں نے کہا: امیرالمومنین! کیا آپ دیکھ نہیں رہے ہیں کہ لوگ لایعنی باتوں میں پڑے ہوئے ہیں؟ انہوں نے کہا: کیا واقعی وہ ایسا کررہے ہیں؟ میں نے کہا: ہاں۔ انہوں نے کہا: مگر میں نے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے: ''عنقریب کوئی فتنہ برپا ہوگا'' میں نے کہا: اس فتنہ سے بچنے کی صورت کیا ہوگی؟ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''کتاب اللہ، اس میں تم سے پہلے کے لوگوں اور قوموں کی خبریں ہیں اور بعد کے لوگوں کی بھی خبریں ہیں، اور تمہارے درمیان کے امور ومعاملات کا حکم وفیصلہ بھی اس میں موجود ہے، اور وہ دوٹوک فیصلہ کرنے والا ہے، ہنسی مذاق کی چیز نہیں ہے۔ جس نے اسے سرکشی سے چھوڑ دیا اللہ اسے توڑ دے گا اور جو اسے چھوڑ کر کہیں اور ہدایت تلاش کرے گا اللہ اسے گمراہ کردے

گا۔ وہ (قرآن) اللہ کی مضبوط رسی ہے وہ حکمت بھرا ذکر ہے، وہ سیدھا راستہ ہے، وہ ہے جس کی وجہ سے خواہشیں ادھر ادھر نہیں بھٹک پاتی ہیں، جس کی وجہ سے زبانیں نہیں لڑکھڑاتیں اور علماء کو (خواہ کتنا ہی اسے پڑھیں) آسودگی نہیں ہوتی، اس کے بار بار پڑھنے اور تکرار سے بھی وہ پرانا (اور بے مزہ) نہیں ہوتا۔ اور اس کی انوکھی (وقیمتی) باتیں ختم نہیں ہوتیں، اور وہ قرآن وہ ہے جسے سن کر جن خاموش نہ رہ سکے بلکہ پکار اٹھے: ہم نے ایک عجیب (انوکھا) قرآن سنا ہے جو بھلائی کا راستہ دکھاتا ہے، تو ہم اس پر ایمان لے آئے، جو اس کے مطابق بولے گا اس کے مطابق عمل کرے گا اسے اجر وثواب دیا جائے گا۔ اور جس نے اس اس کے مطابق فیصلہ کیا اس نے انصاف کیا اور جس نے اس کی طرف بلایا اس نے سیدھے راستے کی ہدایت دی۔ اعورا ان اچھی باتوں کا خیال رکھو۔ (سنن ترمذی/ کتاب: قرآن کریم کے مناقب وفضائل/ باب: قرآن کریم کی فضیلت کا بیان۔ حدیث نمبر 2906 شیخ البانی رحمہ اللہ نے اس حدیث کو المشکاۃ 2138 میں ضعیف قرار دیا۔

اس حدیث کو غور وفکر کے ساتھ پڑھا جائے تو یہ بات صاف معلوم ہوتی ہے کہ جو سارے کام اس حدیث میں بتلائے گئے ہیں، قرآن مجید کی تلاوت کے بغیر ممکن نہیں۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ”یہ قرآن تمام لوگوں کے لئے اطلاع نامہ ہے کہ اس کے ذریعہ سے وہ ہوشیار کردیے جائیں اور بخوبی معلوم کرلیں کہ اللہ ایک ہی معبود ہے اور تا کہ عقلمند لوگ سوچ سمجھ لیں۔“

(سورہ ابراہیم: 52)

”اور بیشک ہم نے قرآن کو سمجھنے کے لئے آسان کردیا ہے۔ پس کیا کوئی نصیحت حاصل کرنے والا ہے؟

(سورۃ القمر:17،22،32،41)

قرآن مجید صاف کہہ رہا ہے کہ ہم نے قرآن کو آسان بنایا تاکہ لوگ اس کے ذریعہ نصیحت حاصل کریں، جو بغیر تلاوت کے ممکن نہیں۔ سورہ ابراہیم کی آیت 52 میں فرمایا گیا کہ یہ ایک پیغام ہے سارے انسانوں کے لئے۔

قرآن مجید کی بے شمار آیات اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ قرآن مجید کی تلاوت ایک مسلمان کے لئے ضروری ہے۔ قرآن مجید کی دوسری سورت بقرہ کی ابتدائی آیت میں فرمایا گیا کہ ”ہدایت ہے متقیوں کے لئے۔“ ”اللہ تعالیٰ کی رسی کو سب مل کر مضبوط تھام لو اور پھوٹ نہ ڈالو۔

(سورہ آل عمران:13)

اس آیت کی تفسیر میں ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ایک مرفوع حدیث میں ہے، قرآن، اللہ تعالیٰ کی مضبوط رسی ہے اور اس کی سیدھی راہ ہے۔ صحیح مسلم 134/12) ایک اور روایت میں ہے: ”وہ اللہ کی کتاب ہے گویا وہ ایک رسی ہے جو آسمان سے زمین تک لٹکی ہوئی ہے۔ سنن ترمذی/ کتاب: فضائل ومناقب/ باب: اہل بیت کے مناقب کا بیان، حدیث نمبر: 3 شیخ البانی رحمہ اللہ نے اس حدیث کو صحیح: المشکاۃ (6144)، الروض النضیر (977-978)، الصحیحۃ (4/356-357) میں صحیح قرار دیا۔

حضرت عبداللہ فرماتے ہیں، ان راستوں میں تو شیاطین چل پھر رہے ہیں، تم الٰہی راستے پر آجاؤ، تم اللہ تعالیٰ کی رسی کو مضبوط تھام لو، وہ رسی قرآن کریم ہے۔ تفسیر ابن کثیر: سورہ آل عمران:103)

امام حسن البنا شہید رحمہ اللہ اپنے مضمون ”علم تفسیر، چند بنیادی مسائل“ کے صفحہ 4 میں فرماتے ہیں:

یہ قرآن کریم جسے اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل فرمایا ہے تاکہ اہل کتاب، اس کی تلاوت کریں اور اس کے ذریعہ سے اپنے سینوں کو منور کریں، اور اس کے ذریعہ قیامت کے دن انعامات الٰہی کے مستحق ہوں اور اس کے ذریعہ اور اس کی روشنی میں ایک صالح معاشرہ بنا کر اپنا ایک دستور قائم کریں تاکہ دنیا میں خوش حال اور آخرت میں کامیابی سے ہمکنار

ہوں۔ قرآن مجید کے سورۃ النحل:97 میں ارشاد باری ہے:

"جو شخص نیک عمل کرے مرد ہو یا عورت، لیکن باایمان ہو تو ہم اسے یقیناً نہایت بہتر زندگی عطا فرمائیں گے۔ اور ان کے نیک اعمال کا بہتر بدلہ بھی انہیں ضرور ضرور دیں گے۔

اسی طرح سورۃ طٰہٰ: 124 میں ارشاد ہے: "اور (ہاں) جو میری یاد سے روگردانی کرے گا اس کی زندگی تنگی میں رہے گی، اور ہم اسے بروز قیامت اندھا کر کے اٹھائیں گے۔"

"ہم نے اس قرآن کو تیری زبان میں بہت ہی آسان کر دیا ہے کہ تو اس کے ذریعہ سے پرہیزگاروں کو خوشخبری دے اور جھگڑالو لوگوں کو ڈرا دے۔ (سورہ مریم:97)

"وہ اپنی آیتیں لوگوں کے لئے بیان فرما رہا ہے، تاکہ وہ نصیحت حاصل کریں۔" (سورۃ بقرہ:221)

"سچی بات تو یہ ہے کہ (قرآن) ایک نصیحت ہے۔ اب جو چاہے اس سے نصیحت حاصل کرے۔

(سورۃ المدثر 55-54)

"یہ بابرکت کتاب ہے جسے ہم نے آپ کی طرف اس لئے نازل فرمایا ہے کہ لوگ اس کی آیتوں پر غور و فکر کریں اور عقلمند اس سے نصیحت حاصل کریں۔"

(سورۃ ص:29)

"کیا یہ قرآن میں غور و فکر نہیں کرتے؟ یا ان کے دلوں پر تالے لگ گئے ہیں۔" (سورۃ محمد:24) "اور میں قرآن کی تلاوت کرتا رہوں، جو راہ راست پر آجائے اور اپنے نفع کے لئے راہ راست پر آئے گا۔ اور جو بہک جائے تو کہہ دیجئے! کہ میں تو صرف ہوشیار کرنے والوں میں سے ہوں۔"

"جن لوگوں کو تورات پر عمل کرنے کا حکم دیا گیا پھر انہوں نے اس پر عمل نہیں کیا ان کی مثال اس گدھے کی سی ہے جو بہت سی کتابیں لادے ہو۔ اللہ کی باتوں کو جھٹلانے والوں کی بڑی بڑی مثال ہے اور اللہ (ایسی) ظالم قوم کو ہدایت نہیں دیتا۔ (سورۃ جمعہ:5)

بالکل یہی مثال ان حامل قرآن پر عائد ہوتی ہے جو قرآن مجید کی تلاوت کا حق ادا نہیں کرتے۔

"یہ جو کچھ کہہ رہے ہیں ہم بخوبی جانتے ہیں اور آپ ان پر جبر کرنے والے نہیں، تو آپ قرآن کے ذریعے انہیں سمجھاتے رہیں جو میرے وعید (ڈرانے کے وعدوں) سے ڈرتے ہیں۔

(سورۃ ق:45)

"جو کتاب آپ کی طرف وحی کی گئی ہے اسے پڑھئے اور نماز قائم کریں، یقیناً نماز بے حیائی اور برائی سے روکتی ہے، بیشک اللہ کا ذکر بہت بڑی چیز ہے، تم جو کچھ کر رہے ہو اس سے اللہ خبردار ہے۔

(سورۃ العنکبوت:45)

مولانا ابوالاعلیٰ مودودی رحمہ اللہ، اس آیت کے تحت تفہیم القرآن جلد نمبر 3 صفحہ 704 اشارہ نمبر 77 کے تحت فرماتے ہیں:

"خطاب بظاہر نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے مگر مخاطب اہل ایمان ہیں، فرمایا جا رہا ہے کہ قرآن کی تلاوت کریں اور نماز قائم کریں کیونکہ یہی دونوں چیزیں ایسی ہیں، جو ایک مومن میں وہ مضبوط سیرت اور زبردست صلاحیت پیدا کرتی ہیں جن سے وہ باطل سے بڑی سے بڑی طغیانیوں میں اور بدی کے سخت سے سخت طوفانوں میں نہ صرف کھڑا ہو سکتا ہے بلکہ ان کا منہ پھیر سکتا ہے لیکن تلاوت قرآن اور نماز سے یہ طاقت انسان کو اسی وقت حاصل ہو سکتی ہے جب کہ وہ محض الفاظ کی تلاوت پر ہی اکتفا نہ کرے بلکہ اس کی تعلیم کو ٹھیک ٹھیک سمجھ کر اپنی روح میں جذب کرتا چلا جائے۔ ایسی تلاوت کے بارے میں جان لینا چاہئے کہ جو تلاوت آدمی کے حلق سے تجاوز کر کے اس کے دل تک نہیں پہنچتی اور اسے کفر کے طغیانوں کے مقابلوں کی طاقت تو درکنار خود ایمان پر قائم رہنے کی طاقت بھی نہیں بخش سکتی جیسا کہ ایک گروہ (خوارج) کے بارے میں ایک حدیث میں آیا ہے:

سہیل نے کہا: سنا میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کہ ذکر کرتے تھے

آپ صلی اللہ علیہ وسلم خوارج کا۔ اور کہا انہوں نے کہ سنا میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کہ اشارہ کرتے تھے مشرق کی طرف اور فرماتے تھے: وہ ایسی قوم ہے کہ قرآن پڑھتے ہیں اپنی زبانوں سے اور اترتا نہیں ہے ان کے گلوں سے نکل جاتے ہیں وہ دین سے جیسے نکل جاتا ہے تیر شکار سے۔ (صحیح بخاری، حدیث نمبر:3610 صحیح مسلم، حدیث نمبر:2470)

درحقیقت جس تلاوت کے بعد آدمی کے ذہن وفکر، اخلاق وکردار میں کوئی تبدیلی نہ ہوسکے، بلکہ قرآن پڑھ کر بھی آدمی وہ سب کرتا رہے جس سے قرآن منع کرتا ہے تو وہ ایک مومن کی تلاوت ہی نہیں۔ ایسے شخص کے بارے میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

صہیب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”جس نے قرآن کی حرام کی ہوئی چیزوں کو حلال جانا وہ قرآن پر ایمان نہیں رکھتا۔“ (سنن ترمذی حدیث نمبر:2918 شیخ البانی رحمہ اللہ نے المشکاۃ: 2203، ضعیف الجامع الصغیر: 4975) میں اس حدیث کو ضعیف قرار دیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قرآن تیری دلیل ہے۔ دوسرے پر یا دوسرے کی دلیل ہے تجھ پر۔ (صحیح مسلم باب: وضوء کی فضیلت کا بیان۔ حدیث نمبر: 534) (یعنی اگر سمجھ کر پڑھے اور فائدہ اٹھائے تو تیری دلیل ہے نہیں تو دوسرے کو فائدہ ہوگا اور تو محروم رہے گا اور دنیا سے آخرت تک جہاں بھی تجھ سے باز پرس ہو تو، اپنی صفائی میں قرآن کو پیش کرسکتا ہے کہ میں نے جو کچھ کیا، اس کتاب کے مطابق کیا ہے۔ اگر تیرا عمل واقعی اس کے مطابق ہوا تو دنیا میں کوئی قاضی اسلام سزا نہ دے سکے گا اور آخرت یعنی دار محشر میں اس پر تیری کوئی پکڑ نہ ہوگی۔ ارشاد ربانی ہے: ”اور رسول کہیں گے کہ اے میرے پروردگار! بے شک میری امت نے اس قرآن کو چھوڑ رکھا تھا۔ اور اسی طرح ہم نے ہر نبی کے دشمن بعض گناہگاروں کو بنادیا ہے اور تیرا رب ہی ہدایت کرنے والا اور مدد کرنے والا کافی ہے۔ (سورۃ الفرقان:30-31)

امام حسن البنا شہید رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ”قرآن مجید سے مقصود محض اس کی تلاوت اور برکت کا حصول نہیں ہے، گوکہ قرآن کی تلاوت بھی بابرکت ہے، بلکہ اس میں حقیقی برکت اس میں تدبر وتفکر اور اس کے معانی ومقاصد کے فہم، پھر دینی اور دنیوی امور میں اس پر عمل کرنے میں پوشیدہ ہے۔

جو شخص ایسا نہیں کرے گا یا محض (بے سمجھے) تلاوت پر اکتفا کرے گا، اس کے بارے میں اس وعید کے صادق آجانے کا اندیشہ ہے، جسے امام بخاری رحمہ اللہ نے روایت کیا:

حذیفہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ: اے قرآن وحدیث پڑھنے والو! تم اگر قرآن وحدیث پر نہ جمو گے، ادھر ادھر دائیں بائیں راستہ لوگے تو بھی گمراہ ہوگے بہت ہی بڑے گمراہ۔ (صحیح بخاری/ کتاب: اللہ اور سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو مضبوطی سے تھامے رہنا/ باب: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں کی پیروی کرنا۔ حدیث نمبر7282)

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ سنو تمہارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: اللہ تعالیٰ اس کتاب کے سبب سے کچھ لوگوں کو بلند کرے گا اور کچھ لوگوں کو گرادے گا“ (صحیح مسلم/ قرآن کے فضائل اور متعلقہ امور/ باب: قرآن پر عمل کرنے والے اور اس کے سکھانے والے کی فضیلت۔ حدیث نمبر:1897)

اس حدیث کے مطابق، کسی بھی قوم کو اسی وقت سرفرازی حاصل ہوگی جب وہ اس کتاب کو پڑھیں اور اس کو اپنی زندگی کا دستور عمل بنائیں۔ تاریخ گواہ ہے کہ جب بھی مسلمانوں نے قرآن مجید کے احکام پر عمل کیا، دنیا ازخود ان کے قدموں میں آگئی اور اسی دنیا کے ایک عظیم ترین قطعہ ارض کا مالک ومختار بنادیا، لیکن جب انہوں نے قرآن مجید کو پس پشت ڈال دیا تو اس دنیا میں ان کے حصہ میں محض ذلت ورسوائی کے سوا کچھ نہ آیا۔ یہی وہ ہے کہ آج باوجود یہ کہ 55 سے زائد مسلم ممالک ہیں، تاہم مغربی حکومتوں کی غلامی کی زنجیروں میں جکڑے ہوئے ہیں اور ان سب نے اپنی

حکومتوں کی بنیادیں انہیں اقوام کے غیر اسلامی قوانین پر قائم رکھی ہے۔

سورۃ مائدہ آیت 44، 45، 47 کے مطابق، قرآن مجید کو چھوڑ کر غیروں کے قوانین نافذ کرنے والے، کافر، ظالم اور فاسق ہیں۔ استاد امام شیخ محمد عبدہ رحمہ اللہ نے اپنے شاگردوں کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا: ''ہمیشہ قرآن کریم کی تلاوت کرو، اس کے اوامر اور نواہی کو سمجھو اور اس کے مواعظ اور عبرتوں سے سبق حاصل کرو۔ جس طرح کہ نزول وحی کے زمانہ میں اہل ایمان اس کے ساتھ برتاؤ کرتے تھے۔''

پھر قرآن جو راہ تمہیں دکھائے، اس پر چل پڑو اور جو چیزیں تم پر عائد کرتا ہے، انہیں اپنے اوپر عائد کرلو (علم تفسیر، چند مسائل، امام حسن البنا شہید رحمہ اللہ، صفحہ-32)

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ: حسد صرف دو باتوں میں جائز ہے۔ ایک تو اس شخص کے بارے میں جسے اللہ نے دولت دی اور وہ اس دولت کو راہ حق میں خرچ کرنے پر بھی قدرت رکھتا ہو اور ایک اس شخص کے بارے میں جسے اللہ نے حکمت (کی دولت) سے نوازا ہو اور وہ اس کے ذریعہ سے فیصلہ کرتا ہو اور (لوگوں کو) اس حکمت کی تعلیم دیتا ہو۔ (صحیح بخاری، کتاب: علم کے بیان میں باب: علم وحکمت میں رشک کرنے کے بیان میں۔ حدیث نمبر: 73) حدیث متعلقہ ابواب: دو قسم کے افراد پر رشک کرنا جائز ہے۔ صحیح مسلم/ قرآن کے فضائل اور متعلقہ امور/ باب: قرآن پر عمل کرنے والے اور اس کے سکھانے والے کی فضیلت۔ حدیث نمبر 1896)

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جس نے کتاب اللہ کا ایک حرف پڑھا اسے اس کے بدلے ایک نیکی ملے گی، اور ایک نیکی دس گنا بڑھادی جائے گی، میں نہیں کہتا ''الم'' ایک حرف ہے، بلکہ الف ایک حرف ہے، لام ایک حرف ہے اور میم ایک حرف ہے۔'' (سنن ترمذی/ کتاب: قرآن کریم کے مناقب وفضائل/ باب: جس نے قرآن کا ایک حرف پڑھا اس کے ثواب کا بیان۔ حدیث نمبر: 2910، شیخ البانی رحمہ اللہ نے اس حدیث کو تخریج الطحاویۃ: 139، المشکاۃ: 2137) میں قرار دیا ہے۔

عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''وہ شخص جس کے دل میں قرآن کا کچھ حصہ یاد نہ ہو وہ ویران گھر کی طرح ہے۔'' (سنن ترمذی/ کتاب: قرآن کریم کے مناقب وفضائل، حدیث نمبر: 2913، شیخ البانی رحمہ اللہ نے المشکاۃ 5312) میں اس حدیث کو ضعیف قرار دیا ہے۔

یعنی جیسے ویران گھر، خیر وبرکت اور رہنے والوں سے خالی رہتا ہے، ایسے ہی اس شخص کا دل خیر وبرکت اور ماہیت سے خالی رہتا ہے، جس کو قرآن مجید کا کوئی حصہ یاد نہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر مسلمان کو قرآن مجید کا کچھ نہ کچھ حصہ ضرور یاد کرنا چاہئے تاکہ وہ اس وعید سے محفوظ رہے۔

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: (قیامت کے دن) صاحب قرآن سے کہا جائے گا: (قرآن) پڑھتا جا اور (بلندی کی طرف) چڑھتا جا۔ اور ویسے ہی ٹھہر ٹھہر کر پڑھ جس طرح تو دنیا میں ٹھہر ٹھہر کر ترتیل کے ساتھ پڑھتا تھا۔ پس تیری منزل وہ ہوگی جہاں تیری آخری آیت کی تلاوت ختم ہوگی۔'' (سنن ترمذی/ کتاب: قرآن کریم کے مناقب وفضائل، حدیث نمبر 2914 سنن ابی داود/ الصلاۃ 355 (1464) (تحفۃ الاشراف: 8627)، و مسند احمد (2/192)، شیخ البانی رحمہ اللہ نے المشکاۃ (2134)، التعلیق الرغیب میں حسن صحیح قرار دیا۔

اس حدیث میں قرآن مجید کے حفظ اور کثرت سے تلاوت اور اس کے احکام پر عمل کرنے والے کی فضیلت کا ذکر ہے۔ پڑھنے سے مراد جنت کے درجوں پر چڑھنا ہے، یعنی جتنا قرآن یاد ہوگا، اسی اعتبار سے وہ ترتیل کے ساتھ چڑھتا جائے گا، اس حدیث میں قرآن کی تلاوت اور اس

کے حفظ کرنے کی ترغیب ہے تاکہ وہ جنت میں حفظ قرآن کی بدولت زیادہ سے زیادہ بلند درجات حاصل کرسکیں۔

ایک حدیث میں قرآن کریم کی دیکھ بھال کرنے کا حکم اور اس کو بھلا دینے پر وعید بیان کی گئی ہے:

عبداللہ بن مسعودؓ نے بیان کیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: بہت برا کسی شخص کا یہ کہنا کہ میں فلاں فلاں آیت بھول گیا بلکہ یوں (کہنا چاہئے) کہ مجھے بھلا دیا گیا اور قرآن مجید کا پڑھنا جاری رکھو کیونکہ انسانوں کے دلوں سے دور ہوجانے میں وہ اونٹ کے بھاگنے سے بھی بڑھ کر ہے۔ (صحیح بخاری/ کتاب: قرآن کے فضائل کا بیان/ باب: قرآن مجید کو ہمیشہ پڑھتے اور یاد کرتے رہنا۔ حدیث نمبر5032)

صاحب قرآن سے مراد قرآن کی حفاظت ہے، مکمل حافظ قرآن ہو یا کچھ اجزاء کا، جتنا بھی یاد ہو، اسے پڑھتا رہے گا تو یاد رہے گا، جیسے اونٹ کو باندھ کر رکھا جائے تو وہ کھڑا رہتا ہے اور اگر کھول دیا جائے تو ایسے بھاگے گا کہ اس کی تلاش مشکل ہوجائے گی۔ (ماخوذ از: دلیل الطالبین، ریاض الصالحین، تالیف از امام نووی رحمہ اللہ، ترجمہ وفوائد حافظ صلاح الدین یوسف حفظہ اللہ)

○○○

رضوان کے سالانہ خریداروں سے گزارش

یہ بات آپ کے علم میں ہے کہ ماہنامہ رضوان کی اشاعت خالص تبلیغی مقاصد کو پیش نظر رکھ کر کی جاتی ہے۔ کوئی تجارتی کاروباری مفاد اس اشاعت میں پیش نظر نہیں ہے۔ چنانچہ ۴۰ صفحات کے اس رسالے کی قیمت انتہائی کم (فی شمارہ صرف تیس روپئے اور سالانہ خریداری -/300 روپے) ہے۔ ہمارے پیش نظر نفع بخش کاروبار نہیں بلکہ ہم اپنے وسائل میں رہتے ہوئے رضوان کے ذریعے بیش بہا مضامین شائع کرتے ہیں۔ اس ضمن میں رضوان کے سالانہ خریدار بھی اہم کردار ادا کرسکتے ہیں۔ اگر تمام سالانہ خریدار اپنی ذمہ داری محسوس کرتے ہوئے بروقت اپنی سالانہ رقوم "ادارہ رضوان" کو بھیج دیں تو وہ بھی ہماری ان تبلیغی کوششوں میں معاون ہوں گے۔

سالانہ خریداروں سے گزارش ہے کہ مدت خریداری ختم ہونے پر زر سالانہ کی ترسیل میں جلدی فرمائیں۔ ہر ماہ سرخ نشان کے ذریعہ ان کو اطلاع دی جاتی ہے۔ اور منی آڈر فارم بھی روانہ کیا جاتا ہے۔ تاکہ یاددہانی ہوسکے۔

یاد رکھئے! زر سالانہ کی بروقت عدم وصولی سے ادارے پر مالی بوجھ بڑھتا ہے اور پچھلے کچھ عرصے سے اس میں اضافہ ہی ہوا ہے لہٰذا سالانہ خریداروں سے گزارش ہے کہ رضوان کی مدت خریداری ختم ہوتے ہی زر سالانہ کی ادائیگی کریں تاکہ ادارے پر مالی بوجھ نہ پڑے بصورت دیگر اگر آئندہ "رضوان" خریدنا نہیں چاہتے، تب بھی خط لکھ کر یا بذریعہ فون اس بارے میں دفتر رضوان کو مطلع فرمادیں۔ نیز اپنا خریداری نمبر یا جس نام سے رسالہ جاری ہے وہ پتہ صاف اور خوشخط ضرور لکھیں۔ آپ کا تعاون اس دینی سعی وکاوش میں ہمارے لئے نہایت اہم اور "رضوان" کے معیار میں اضافے کے ساتھ آپ کیلئے کار خیر کا ذریعہ بن سکتا ہے۔

قارئین رضوان سے گزارش ہے وہ اپنا سالانہ چندہ مندرجہ ذیل اکاؤنٹ میں جمع کرسکتے ہیں۔

Bombay Mercantile Co-operative Bank, Lucknow-18

Name of Account "RIZWAN MONTHLY", Account No. : 20511010000529

IFSC Code : UTIBOSBMCBI

نوٹ: رقم ڈالنے کے بعد دفتر کو مطلع ضرور کریں ورنہ رقم آپ کے کھاتہ میں منتقل نہ ہوگی۔ اس نمبر پر مطلع کریں **Cantt. No. : 9415911511**

نثار احمد حصیر القاسمی

اخیر عشرہ میں ہم کس طرح رہیں!

ذرا اِدھر سے بھی ہوتی ہوئی بہار چلے

دیکھتے ہی دیکھتے رمضان کا دوسرا عشرہ بھی گذر گیا اور اب ہم تیسرے عشرہ میں قدم رکھ چکے ہیں، شروع رمضان میں ہم نے جس طرح نماز و اذکار اور تلاوت و عبادت میں سرگرمی دکھائی تھی ہمیں اس سے کہیں زیادہ اس آخری عشرہ میں سرگرم ہونا چاہئے، ہمیں اللہ کا شکر بجالانا اور اس کی عظیم نعمت پر احسان مند و ممنون ہونا چاہئے، ہمیں یاد کرنا چاہئے کہ یہ ایسی نعمت ہے، جسے اللہ تعالیٰ نے ہمارے لئے مختص کردیا ہے، اس سے ایمان والے ہی مستفید ہوتے ہیں عام بندے نہیں، بارش، ہوا، پانی، دھوپ، سردی، گرمی اور اس جیسی بے شمار اللہ کی نعمتیں ایسی ہیں جو سب کے لئے عام ہیں، اس میں اللہ تعالیٰ مومن و کافر کے درمیان تفریق نہیں کرتا، مگر رمضان کی برکتوں کی نعمت ایسی ہے جو ہر ایک کے لئے نہیں، صرف بندۂ مومن کے لئے ہے، جو اس کے حکم کے مطابق روزہ رکھتا ہے، اللہ تعالیٰ نے ہمیں رمضان تک پہنچایا، پہلے و دوسرے عشرے میں عبادت کرنے کی توفیق دی اور اپنی رحمت و مغفرت کی چادریں ہمارے اوپر دراز کیں اور اب ہمیں جہنم سے خلاصی کے عشرہ کا صحت و سعادت کے ساتھ استقبال کرنے کی توفیق دی ہے، جو بلاشبہ اللہ کی بڑی نعمت اور احسان عظیم ہے، اس پر اللہ کا جس قدر شکر بجالایا جائے اور اس کی جتنی حمد و ثنا بیان کی جائے کم ہے:

مرحبا اهلا و سهلاً بالصيام،
باحبيبا زار نافي كل عام
فاغفر اللهم ربي ذنبنا، ثم زدنا
عن عطاياك الجسام

ترجمہ: خوش آمدید اے ماہِ صیام، ہر سال ہماری زیارت کرنے والے اے محبوب، تو اے اللہ اے میرے پروردگار میرے گناہوں کو بخش دے اور اپنے بھرپور عطیے میں اضافہ فرما۔

بہت سے دل ایسے تھے جنہیں اس ماہ مبارک کی ملاقات کا اشتیاق تھا، مگر اس کی آمد سے قبل ہی تقدیر نے انہیں آدبوچا اور انہیں ایسی جگہ لے کر چلی گئی جس کا ہمیں علم نہیں اور نہ یہ پتا ہے کہ ان کا وہاں کیا حشر ہوا، بہتوں نے تمنا کی اور اس ماہ میں روزہ رکھنے اور تلاوت و اذکار میں مشغول رہنے کا ارادہ کیا، مگر توفیق خداوندی ان کے شامل حال نہیں رہی اور آج وہ بیڈ پر پڑے اور حسرت و ندامت کے ساتھ اس کے شب و روز کا نظارہ کر رہے اور اپنی سابقہ کوتاہیوں پر کف افسوس مل رہے اور زبانِ حال سے کہہ رہے ہیں:

جل رہا ہوں کل نہیں پڑتی کسی پہلو مجھے
یاں ڈبودے اے محیط آب گنگا تو مجھے

ان کے شب و روز طبی آلات کے زیر سایہ کٹ رہے اور ان کے دلوں کو تسکین پہنچانے والے کلمات اذکار و ادعیہ و تلاوت و تسبیح کے بجائے ڈاکٹروں و نرسوں کے نصائح بن رہے ہیں، اللہ کا ہمیں شکر گذار ہونا چاہئے کہ اس نے ہمیں رمضان کا استقبال کرنے والا بنایا، اس کے ابتدائی دو عشروں میں عبادت کی توفیق دی، اور اب تیسرے عشرے میں صحت و سلامتی کے ساتھ داخل کردیا ہے، ہمیں اس نعمت کبریٰ پر اس لئے بھی شکر گزار ہونا چاہئے شکر سے نعمتیں باقی رہتی اور اس میں اضافہ ہوتا ہے۔ "لان شكرتم لأزيدنكم" (اگر تم شکر کروگے تو ہم مزید عطا کریں گے)، اس آخری عشرہ میں بطور خاص ہمیں جن اُمور پر توجہ دینے اور اسے پورے اہتمام سے گزارنے کی کوشش کرنی چاہئے، اس میں سرفہرست یہ ہیں۔

ہم اپنے اور اپنے خالق کائنات کے درمیان کیئے گئے عہد وفاء کی تجدید کریں، اپنے عزم وارادوں میں پختگی پیدا کریں اور اطاعت وبندگی، عبادت وریاضت اور نیکی وبھلائی کے راستے پر قدم آگے بڑھاتے رہیں، ہمیں کچھ اندازہ نہیں کہ ہماری زندگی کتنی ہے اور کل ہمارے ساتھ کیا ہونے والا ہے، اگر ہم کل نہ بھی رہے اور رمضان کی آئندہ شب جس میں شب قدر کا بھی غالب امکان ہے، نہ پاسکے تو محض نیت کی وجہ سے ہمیں ان راتوں کی نیکیوں کا ثواب مل جائے گا، بشرطیکہ ہماری نیت خالص اور ہمارا ارادہ سچا وپختہ ہو۔

آخری عشرہ کے شب وروز رمضان کے بقیہ دنوں سے زیادہ بابرکت وعظمت والے ہیں، اس لئے ہمیں قیام لیل اور تہجد کا خاص اہتمام کرنا چاہئے، حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، وہ فرماتی ہیں: **كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يجتهد فى العشر الاواخر مالا يجتهد فى غيره.** (مسلم، اعتکاف، حدیث نمبر: 8-1175)

جب آخری عشرہ داخل ہوتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تہبند کس لیتے، رات کو زندہ کرلیتے اور گھر والوں کو جگادیتے تھے۔

صحیح روایتوں کے مطابق اسی عشرے میں شب قدر کا امکان ہے جو ایک ہزار ماہ سے افضل ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

تحروا ليلة القدر فى الوتر من العشر الاواخر من رمضان. (بخاری مع الفتح: 4/259، حدیث نمبر: 2017) رمضان کے آخری عشرہ کی طاق راتوں میں شب قدر تلاش کرو۔

آخری عشرہ میں ہمیں اعتکاف کرنے کا بھی اہتمام کرنا چاہئے کہ یہ بہت بڑی عبادت ہے، اعتکاف کے اندر بندہ سراپا عبادت کے اندر ہوتا ہے، اس کی نیند اور بیداری، نشست و برخواست اور ہر نقل و حرکت، عبادت میں شمار کی جاتی ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زندگی میں اس کی پابندی کی اور اُمت کو خاص اہتمام کے ساتھ اس کی طرف توجہ دلائی ہے:

عن عائشة رضى الله عنها ان النبى صلى الله عليه وسلم يعتكف العشر الا واخر من رمضان حتى توفاه الله، ثم ازواجه من بعده. (بخارى مع الفتح" 4/217، حديث نمبر: 202، مسلم: 2/831، حديث نمبر: 5-1172)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم رمضان کے آخری عشرہ میں اپنی وفات تک اعتکاف فرماتے رہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد آپ کی ازواج مطہرات بھی (ہمیشہ رمضان کے آخری عشرہ میں) اعتکاف فرماتی رہیں۔

اس عشرہ کے اندر ہماری کوشش ہونی چاہئے کہ ہماری زبان سے وہی نکلے جس سے اللہ خوش ہو، ہمارے اعضاء وجوارح سے وہی افعال صادر ہوں جو اللہ کی مرضی ہو، ہماری زبان بیکار ولایعنی باتوں سے محفوظ رہے، یہاں تک کہ اگر کوئی گالی دے، برا بھلا کہے، یا اشتعال انگیزی کرے تو بھی وہ اس کی باتوں کا ترکی بترکی جواب دینے سے گریز کرے اور اپنی زبان سے یہی نکالے کہ میں تو روزے سے ہوں، روزہ صرف کھانے پینے اور جنسی خواہشات سے رکنے کا نام نہیں بلکہ افضل ترین روزہ وہ ہے جس میں لایعنی باتوں سے بھی رکا جائے اور اسے صرف خیر میں ہی استعمال کیا جائے۔

اس اخیر عشرہ میں ہمیں اللہ کی طرف رُجوع ہونا اور وقت گذر جانے سے پہلے تمام گناہوں سے توبہ کرلینا چاہئے، رمضان میں بھی اگر ہمیں توبہ واستغفار کی توفیق نہیں ہوسکی تو پھر کب اس کی توفیق ہوسکتی ہے:

عن انس بن مالك رضى الله عنه قال: دخل رمضان فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم:

ان هذا الشهر قد حضركم و فيه لیلة خیر من الف شهر، من حرمها فقد حرم الخیر کله، ولا یحرم خیرها الا کل محروم۔ (سنن ابن ماجہ، حدیث نمبر1644)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رمضان جب داخل ہوا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ مہینہ تمہارے پاس آچکا ہے، اس کے اندر ایک رات ہے جو ہزار مہینے سے بہتر ہے، جو اس سے محروم رہا وہ پورے خیر و بھلائی سے محروم رہا اور اس کے خیر سے محروم رہنے والا وہی شخص ہے جو بالکل ہی محروم و تہی دست ہے۔

اس کے علاوہ بھی بہت سی عبادتیں اور بہت سے حقوق ہیں، جنہیں فوراً ادا کرنے کی فکر کرنی چاہئے، مثلاً اس مبارک مہینے کے ان آخری ایام میں بطور خاص وسعت کے مطابق خرچ کرنا چاہئے، فقیروں، مسکینوں، بیواؤں، یتیموں، مطلقہ خواتین، نادار افراد، قید خانوں میں بند افراد کے خاندان والوں اور غریب خاندان کی بچیوں کی شادی کرانے کے لئے ہمیں آگے بڑھنا چاہئے، دین کی حفاظت کے قلعے اور اشاعت اسلام کے ستون سمجھے جانے والے دینی مدارس کی اعانت کی جانی چاہئے اور صرف فرض زکوٰۃ کی ادائیگی پر اکتفاء نہیں کرنا چاہئے، بلکہ نفلی صدقات و خیرات بھی سخاوت کے ساتھ کرنی چاہئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یوں تو سخی تھے ہی مگر رمضان میں آپ کی سخاوت بے مثال اور آخری عشرہ میں تیز و تند آندھی کے مانند ہوجاتی تھی:

عن ابن عباس رضی اللہ عنهما قال کان رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم اجود الناس بالخیر، و کان اجود ما یکون فی رمضان، و کان جبریل یلقاہ کل لیلة فی رمضان، یعرض علیه النبی صلی اللہ علیه وسلم القرآن، فاذا لقیه جبریل کان اجود بالخیر من الریح المرسلة۔ (بخاری مع الفتح: 1/31، حدیث نمبر: 6، 1901، 4997، مسلم: 4/1803، حدیث نمبر: 5-2308)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں میں سب سے زیادہ خیر کے اندر سخاوت کرنے والے تھے اور آپ سب سے زیادہ سخی رمضان میں ہوتے تھے، حضرت جبرئیل رمضان کی ہر رات میں آپ سے ملتے تھے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے سامنے قرآن پیش کرتے تھے (سناتے تھے) اور جب آپ کی ملاقات جبرئیل سے ہوتی تو خیر کی چیزوں میں آپ کی سخاوت تیز و تند آندھی کے مانند ہوجاتی تھی۔

ہمیں چاہئے کہ اس عشرہ میں ہم سماج کے غریب طبقہ کے دلوں میں فرحت و انبساط پیدا کریں، عام لوگوں کے ساتھ محبت و ہمدردی کے جذبات کو فروغ دیں، اسلامی اقدار کو رواج دیں، مالداروں اور غریبوں کے درمیان تعلقات کے استواری و بہتری کی مثال قائم کریں، اس عشرہ کے اندر ہماری یہ کوشش بھی ہونی چاہئے کہ زیادہ سے زیادہ ہم انفرادی افطار کرانے کا اہتمام کریں اور اجتماعی بھی، غریبوں میں عید کے کپڑے تقسیم کریں اور قبل از وقت صدقۂ فطر محتاجوں تک پہنچادیں اور نام و نمود کے لئے افطار پارٹیوں کا اہتمام کرنے یا اس میں شرکت سے اجتناب کریں، جہاں مالداروں پر صاحب حیثیت و منصب افراد ہی کو مدعو کیا جاتا اور ناداروں کو نظر انداز کر دیا جاتا ہے، کیونکہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسی پارٹیوں کو بدترین دعوت قرار دیا ہے جس میں مالداروں کو مدعو کیا جائے اور محتاجوں کو نظر انداز کر دیا جائے، جب کہ ہمیں اندازہ نہیں کہ مدعو کئے جانے والے معتوب خداوندی ہوں اور نظر انداز کئے جانے والے ہی محبوب و مقرب بارگاہ ہوں:

نگاہ کم سے نہ دیکھ اس کی بے کلاہی کو
یہ بے کلاہ ہے سرمایۂ کلہ داری

(بقیہ......صفحہ......41......پر)

محترمہ عطا محمد جنجوعہ

حقوق نسواں کا محافظ

دین اسلام

خالق کائنات نے مخلوق کی راہنمائی کے لئے انبیائے کرام علیہم السلام مبعوث فرمائے۔ جن کی دعوت کی اساس تو عقیدہ توحید رہی، تاہم زمانہ کے اعتبار سے اُن پر نازل شدہ ضابطوں میں تغیر تبدل رونما ہوتا رہا۔ خاتم النبیین محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر قرآن حکیم نازل ہوا، جس کی حفاظت کے بارے میں رب نے اعلان فرمادیا۔ (اِنَّا نَحۡنُ نَزَّلۡنَا الذِّکۡرَ وَاِنَّا لَہٗ لَحٰفِظُوۡنَ۔) (الحجر:8)

"ہم نے ہی اس ذکر کو نازل فرمایا ہے اور ہم ہی اس کے محافظ ہیں۔"

چونکہ پہلے دور کے ضابطے مخصوص دور کے لئے تھے، ان پر نازل شدہ کتب وصحائف کی اصلی حالت برقرار نہ رہی، یہ اعجاز قرآن حکیم کو حاصل ہے کہ ساڑھے چودہ سو سال گزرنے کے باوجود اس میں کسی قسم کی لفظی و معنوی تحریف نہ ہوسکی۔

اسلام دین فطرت ہے، جو اللہ کے قرآن اور نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کا نام ہے کتاب وسنت کے احکام قیامت کی صبح تک بنی نوع انسان کی راہنمائی کا ذریعہ ہیں۔ یہ تو ممکن ہے کہ قرآن میں کسی آیت کی حکمت عام فہم انسان کی عقل سے بالاتر ہو، لیکن کسی کا یہ کہنا کہ فلاں قرآنی ضابطہ فطرت کے خلاف ہے سراسر احمقانہ فعل ہے۔

اسلام سے قبل جاہلیت میں تعدد ازدواج پر کوئی پابندی نہ تھی، ایک مرد بیک وقت کئی عورتوں سے نکاح کرسکتا تھا، اللہ تعالیٰ نے چار کی حد مقرر کردی ہے: (وَاِنۡ خِفۡتُمۡ اَلَّا تُقۡسِطُوۡا فِی الۡیَتٰمٰی فَانۡکِحُوۡا مَا طَابَ لَکُمۡ مِّنَ النِّسَآءِ مَثۡنٰی وَ ثُلٰثَ وَ رُبٰعَ، فَاِنۡ خِفۡتُمۡ اَلَّا تَعۡدِلُوۡا فَوَاحِدَۃً) (النساء:3)

"اگر تم یتیموں کے ساتھ بے انصافی کرنے سے ڈرتے ہو تو جو عورتیں تم کو پسند آئیں اُن میں سے دو دو، تین تین، چار چار سے نکاح کرلو۔ لیکن اگر تمہیں اندیشہ ہو کہ اُن کے ساتھ عدل نہ کرسکو گے تو پھر ایک ہی بیوی کرو۔"

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ غیلان بن ثقفی جب اسلام لائے تو ان کے نکاح میں دس عورتیں تھیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ان میں سے کوئی سی چار پسند کرلو۔ (باقی چھوڑ دو)۔ (ابن ماجہ، کتاب النکاح)

آزادی نسواں کے علمبردار اہل مغرب اس قرآنی حکم پر واویلا مچاتے ہیں کہ اسلام عورتوں کی حق تلفی کرتا ہے۔ اُن کے باشعور طبقہ کو دعوت فکر ہے!

خالق کائنات نے مرد و عورت کو تخلیق کیا، اللہ عالم الغیب نے اُن کی فطری کمزوریوں کو مدنظر رکھ کر مشروط انداز میں اجازت دی، تاکہ وہ حیوانوں کی طرح بھڑاس نکالنے کے بجائے رخصت سے فائدہ اٹھائے۔

افزائش نسل کے لئے انسان میں نفسانی خواہش موجود ہوتی ہے لیکن مرد اور عورت کی طبعی کیفیات مختلف ہیں، خالق نے جن کی تکمیل کے لئے ضابطے مقرر کئے ہیں۔ اُن کی خلاف ورزی پر سزا متعین کی ہے۔ اللہ عادل ہے، اُس

نے انسان کی فطری کمزوری کے تدارک کے لئے اجازت دی ہے کہ ایک مرد چار عورتوں سے بیک وقت نکاح کرسکتا ہے۔ مرد میں جنسی رغبت ہمہ وقت موجود رہتی ہے، جب کہ عورت کو جنسی عمل کے بعد استقرارِ حمل، وضع حمل، رضاعت اور ننھے منے بچوں کی تربیت کے سارے مرحلے، اُسے یوں مشغول رکھتے ہیں کہ اُس میں طلب کم ہی رونما ہوتی ہے۔ لیکن مرد ان تمام ذمہ داریوں سے آزاد ہوتا ہے۔ گرم مرطوب علاقہ کی وجہ سے مرد اگر صبر نہ کر سکے تو کیا وہ بدکاری کا مرتکب ہو کر سزا کا مستحق بن جائے یا اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ کی دی ہوئی رخصت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے نکاح کر لے؟

قرآنی احکام فطرت کے عین مطابق ہیں، مردم شماری کے عالمی اعداد و شمار کے مطابق دنیا میں بعض علاقے ایسے ہیں جن میں عورتوں کی شرح پیدائش مردوں سے زیادہ ہے۔

مزید برآں تاریخ کا مطالعہ کریں، جنگوں کا سلسلہ روز اول سے جاری ہے۔ جن میں ہزاروں لاکھوں کی تعداد میں مرد ہلاک ہوئے، اُن کی عورتیں بیوہ ہوگئیں۔ مثلاً دوسری عالمی جنگ کے دوران روس میں نوے لاکھ مرد ہلاک ہوئے اور جرمنی میں پچاس لاکھ افراد موت کا شکار ہوئے۔ حکومت نے اُن کی بیوگان کے لئے ماہوار وظیفہ مقرر کیا اور رہائشی سہولتیں میسر کیں۔ سب کچھ بجا، لیکن نسوانی جذبات کے سہارے سے وہ محروم رہیں۔ کیونکہ یورپ میں صلیبی قانون رائج ہے کہ مرد ایک وقت میں صرف ایک عورت سے شادی کرسکتا ہے۔ اِس لئے انہوں نے جذبات سے مغلوب ہوکر غیر فطری روش اختیار کرلی، چنانچہ ان ادھیڑ عمر عورتوں نے پیسے دے کر نوجوان لڑکوں کو ورغلانا شروع کردیا۔

مغربی معاشرہ، جہاں ایک مرد صرف ایک عورت کو نکاح میں رکھ سکتا ہے، اگر اُن کے ہاں عورتوں کی تعداد زیادہ ہوجائے تو وہ اپنی مرضی سے جس سے چاہیں آزادانہ جنسی تعلقات قائم کریں۔ حرامی بچوں کو جنم دیں۔ کوئی اُن کی اولاد کا باپ بننا گوارا نہ کرے۔ ان کے بچے نان ونفقہ، صحت وتعلیم کی سہولتوں سے محروم ہوجائیں۔ اس وقت یورپ اور امریکا میں ساٹھ فیصد سے زیادہ ناجائز اولاد جنم لے رہی ہے۔ باعث حیرت ہے کہ اہل مغرب کو عورتوں کے فطری حیاوشرم کی پامالی قبول ہے۔ لیکن بیوہ عورتوں کا قانونی سہارا بننے کے لئے مرد کو دوسری شادی کرنے کی اجازت دینے پر رضامند نہیں۔

قرآن حکیم آفاقی اور عالمی دستور حیات ہے، جس نے مرد کو اجازت دی ہے کہ وہ بیک وقت چار عورتوں سے نکاح کرسکتا ہے۔ قدرتی آب و ہوا یا جنگی حالات میں رب کریم کی اجازت نعمت ثابت ہوتی ہے۔ عورت جنسی آوارگی سے بچ کر گھر کی مالکہ کی حیثیت سے معاشرہ میں باوقار زندگی گزار سکتی ہے۔ خاوند کی سرپرستی میں اس کی اولاد جائز تصور ہوگی اور وہ اُن کے نان ونفقہ کا ذمہ دار ہوتا ہے۔ اسلام مرد کو بیویوں کے مابین عدل وانصاف کرنے کا حکم دیتا ہے۔ اس لئے بیوہ عورتوں کو معاشرہ میں پرسکون اور باوقار مقام حاصل ہوتا ہے۔

ارباب علم و دانش غور کریں کہ صلیبی معاشرہ عورتوں کے نسوانی حقوق کے تحفظ کی ضمانت فراہم کرتا ہے یا اسلام؟

الغرض، اسلام ہی وہ دین فطرت ہے کہ جس نے ایک مرد کو چار عورتوں سے نکاح کرنے کی اجازت دی، تاکہ قدرتی آب و ہوا کی وجہ سے یا ہنگامی حالات میں عورت دربدر ٹھوکریں کھانے کے بجائے خاوند کی سرپرستی میں باعزت زندگی بسر کرسکے۔ عورتوں کے حقوق کا حقیقی محافظ اسلام ہی ہے۔

○○○

محمد صابر حسین ندوی

عصری درسگاہوں کے طلبہ کو بھی زکوٰۃ دی جاسکتی ہے

اسلام کا نظریہ مال و دولت کے تعلق سے یہ ہے ؛کہ انسان دنیاوی ثروت و دولت کا امین ہے، اور وارث حقیقی اللہ رب العالمین کی ذات اقدس ہے، کیونکہ صرف اسی کی ذات ایسی ہے جس کو بقاو ہمیشگی حاصل ہے، کل من علیھا فان ویبقی وجہ ربك ذوالجلال و الاکرام۔ (الرحمٰن:۲۶۔۲۷)، اسی لئے دولت کے ساتھ دل لگی کرنا یا اسے احکام الٰہی پر فوقیت دینا یا اس سے غرباء وفقراء کے حقوق کی ادائیگی نہ کرنا گناہ ہے، چونکہ دولت بھی اللہ کی عظیم نعمت ہے، جو ''بقدر معلوم'' ہر ایک کے پاس آتی جاتی ہے، ایسے میں ہر صاحب مال اپنے سے کم مال والے اشخاص کی فکر کرے، اس کی باز پرسی کرے اور اس کی ضرورت کا خیال رکھے، یہی وجہ ہے ؛کہ اسلام نے زکات، صدقات، وراثت اور اوقاف وغیرہ کے نظام کو بحال کیا ؛ تا کہ ایک طرف فرد کی زندگی مصائب وآلام میں پھنس کر نہ رہ جائے، تو دوسری طرف ملکی معیشت میں کسی قسم کا رخنہ نہ پڑے، اور انسان کے رگوں میں دوڑتے خون کی طرح دولت بھی معاشرے میں جاری وساری رہے، کسی ایک کے ہاتھ مرتکز ہوکر نہ رہ جائے اور استعماری وسرمایہ دارانہ نظام کو فروغ نہ ہو۔

مال ودولت کے اندر اگرچہ شریعت اسلامی نے بعض حقوق کو اختیاری درجہ میں رکھا ہے، جن پر عمل پیرا ہونا درجات کی بلندی اور سیآت کے ازالہ کا سبب ہیں؛ لیکن ایک خاص مقدار فقراء کی اصناف کو ادا کرنا فرض قرار دیا ہے، جسے زکات سے تعبیر کرتے ہیں، اور سال بھر میں ایک خاص مقدار پر، تمام اخراجات کے بعد کل مال کا صرف چالیسواں حصہ بے کسوں اور ناداروں کے نام پر ادا کرنا ہے، جس سے روگردانی پر سخت سزاوں کا وعدہ ہے، اور اس کی ادائیگی پر ''متقی'' کا پروانہ بھی ہے۔ (بقرۃ:۱۷۷)، اس کی اہمیت کا اندازہ اس سے بھی لگایا جاسکتا ہے؛ کہ اللہ رب العزت نے خود قرآن کریم میں زکات کے احکام اور اس کے اصناف کی تعیین کی ہے، ایسے میں اگر ان اصناف کے علاوہ کو زکات دی گئی تو زکات ادا نہیں ہوگی، قرآن کریم کے بیان کردہ مصارف آٹھ ہیں، انما الصدقات للفقراء والمساکین والعاملین علیھا والمؤلفة قلوبھم وفی الرقاب والغارمین وفی سبیل اللہ وابن السبیل، فریضة من اللہ واللہ علیم حکیم۔ ''زکاۃ تو حق ہے مفلسوں کا اور محتاجوں کا اور اس کے کام پر جانے والوں کا اور ان کا جن کی دلجوئی منظور ہے، اور غلاموں (کے آزاد کرنے) میں اور جو قرض داروں (کے قرض چکانے) میں اور اللہ کے راستہ میں اور مسافر کی ضرورت) میں (اس کو خرچ کیا جائے) اللہ کی طرف سے طے شدہ اور اللہ خوب جانتا بڑی حکمت رکھتا ہے'' (التوبہ:۶۰) اس پر تمام اہل علم کا اجماع ہے، اور زید بن حارثؓ کی طویل روایت میں آپؐ نے فرمایا کہ زکوۃ کی ادائیگی صرف انہیں مصارف میں ہوسکتی ہے، ''ان اللہ لم

يرض بحكم نبی ولاغيره فی الصدقة حكم هوفيها فجزأها ثمانية اجزاء فان كنت فی تلك الاجزاء اعطيتك حقك" (ابوداود: ۱۶۳۰) اسی طرح تمام اہل علم کا اتفاق ہے کہ غریب طالب علم بھی مستحق زکوۃ ہے، گرچہ کہ وہ کمانے پر قادر ہو، کیونکہ اس نے اپنے آپ کو حصول علم کیلئے فارغ کرلیا ہے (درالمختار: ۲/۳۴۳)، ابن عابدین نے بعض حنفیہ سے "فی سبیل اللہ" کی توجیہ میں حصول علم نقل کیا ہے (درالمختار: ۲/۳۴۳)۔

درحقیقت یہی وہ "سبیل اللہ" ہے جو حالات وکوائف کے اعتبار سے توسع رکھتا ہے، چنانچہ علامہ نواب صدیق حسن خانؒ نے لکھا ہے کہ: سبیل اللہ کا بہترین مصرف اہل علم ہیں، کیونکہ ان سے مصالح دینیہ منسلک ہیں "ومن جملة "سبيل الله": الصرف فی العلماء الذين يقومون بمصالح المسلمين الدينيه فان لهم فی مال الله نصيباً سواً كانوا أغنياءً او فقراءً، بل الصرف فی هذه الجهة من اهم الامور لأن العلماء ورثة الأنبياء.....وقد قالﷺ لعمر لما قال له يعطی من هو احوج منه: (ماأتاك من هذاالمال وأنت غير مستشرف ولاسائل فخذه وما لا فلاتتبعه نفسك)" (الروضة الندية: ۱/۳۴۱-۵۳۳)، علامہ ابو فارس نے طالب علم کو مجاہدوں کے مثل قرار دیا ہے اور مستحقین زکوۃ بتلایا ہے، "انه حبس نفسه لمجاهدتها علی تعلم العلم وتعليم الناس فدخل بهذا تحت المجاهدين الذين يستحقون سهم سبيل الله مع قدرتهم علی الكسب" (انفاق الزکاۃ فی مصالح العامۃ: ص۸۳-۸۲)، اسی طرح حاشیہ طحاوی صفحہ نمبر ۳۹۲ میں ہے کہ طالب علم خواہ امیر ہو یا غریب چونکہ اس نے اپنے آپ کو علم کیلئے فارغ کرلیا ہے، اس لئے زکاۃ لینا درست ہے، "يجوز لطالب العلم الاخذ من الزكاة ولو كان غنياً اذا فرغ نفسه لافادة العلم واستفادته لعجزه عن الكسب، والحاجة داعية الی مالابدمنه"، اس سلسلہ میں مزید تفصیلی بحث "الموسوعۃ الفقہیۃ الکویتیۃ: ۲۸/۳۳۷" میں دیکھی جاسکتی ہے۔

مذکورہ بالا بحثوں میں یا احادیث کے ذخائر میں کہیں ایسا نہیں کہ قرآن وحدیث سیکھنے والے ہی اہل علم ہیں یا صرف وہی خشیت الٰہی کے ذمہ دار ہیں اور انہیں کے علم سے خدا راضی ہوتا ہے یا سبیل اللہ سے صرف وہی مراد ہیں، البتہ اتنا ضرور کہا جاسکتا ہے کہ قرآن وحدیث اس کے لئے مضبوط ذریعہ ہیں، اور حضورﷺ کا فرمان "رضاً لطالب العلم" کا حصول اس سے زیادہ ممکن ہے؛ تاہم دیگر علوم کی نفی نادانی کی علامت ہے، یہی وجہ ہے کہ متاخرین فقہاء نے عصری تعلیمی اداروں کے طلبہ پر زکاۃ کی رقم صرف کرنے کی اجازت دی ہے، لیکن اس کیلئے تین شرطیں لازم قرار دی ہیں:۔

۱۔ جو علم سیکھا جارہا ہے وہ شرعی اعتبار سے مباح ہو، اس میں غیر شرعی علوم سیکھنے والوں کیلئے اجازت نہیں۔

۲۔ مسلمانوں کو اس علم کی ضرورت ہو، لایعنی علم جس سے محض اپنا فائدہ منسلک ہوایسوں کے لئے مناسب نہیں۔

۳۔ علم سیکھنے والا غیر مستطیع ہو، اور وہ کسب مال اور حصول علم میں موافقت سے قاصر ہو۔

اس کی تائید عبداللہ بن عدی بن خیار کی ایک روایت سے ہوتی ہے، جب کہ حجۃ الوداع کے موقع پر آپﷺ مال زکوۃ تقسیم فرمارہے تھے، تو دونوجوانوں نے زکاۃ کا مطالبہ کیا حالانکہ وہ مضبوط، طاقتور تھے، آپﷺ نے اس وقت فرمایا تھا: "ان شئتما اعطيتكما ولا حظ فيها لغنی ولا لقوی مكتسب" یعنی اگر تم چاہو تو یہ مال لے سکتے ہو لیکن اس مال میں مالدار، طاقتور اور جو کمانے کی استطاعت رکھتا ہو تو اس کیلئے کوئی حصہ نہیں (ابوداود:

۱۶۳۳، نسائی:۱/۳۶۳-۳۶۴، دارقطنی:۲۱۱)، علامہ یوسف القرضاوی دامت برکاتہم بھی اسی نقطہ نظر کے حامی ہیں اور زکوۃ کے موضوع پر شہرہ آفاق کتاب ''فقہ الزکاۃ: ۲/۶۱-۵۶۰'' میں مفصلاً بحث کی ہے، وہ لکھتے ہیں:

"المتفرغ للعلم يأخذ من الزكاة فاذا ما تفرغ لطلب علم نافع وتعذر الجمع بين الكسب وطلب العلم فان يعطى من الزكاة قدر مايعيينه على اداء مهمته ومايشبع حاجاته........"

دراصل اس بحث کی ضرورت اسلئے پیش آئی؛ کہ ہم نے علم کی بہت سی قسمیں کردی ہیں، دنیاوی ودینی کی تقسیم توزبان زد ہے، نیز قرآن وحدیث کا طالب "من سلك طريقا يلتمس فيه علما سهل الله له طريقا الى الجنة" (مسلم:۱۳۸۲) کا مصداق ٹھہرا، اور عصری درس گاہوں میں جلوہ افروز شیطانی مجلس شوری کا رکن عزیز قرار پایا، حیرت کی بات ہے؛ کہ جس امت کیلئے صرف ''اقراء'' کے ساتھ ''بسم ربک'' کی شرط لگائی گئی تھی، اور جس کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے علم کو نافع وغیر نافع کی بنیاد پر تقسیم کیا تھا، بلکہ خود ہی اپنے ساتھیوں کو languages کے سیکھنے، ہتھیاروں اور فوجی مشقوں کے کرنے کی ترغیب دی تھی، جس کے اسلاف نے یونانی فلسفہ کو پارہ پارہ کردیا تھا، اور علم کلام کو نئی بلندی عطا کی تھی، ایجادات اور تخریعات سے حیران وششدر کردیا تھا، ان کی طب اور سائنس کو یوروپ اور جدید مغرب استاذی کا درجہ دیتا ہے، الجبرا میں ان جیسا کوئی پیدا نہیں ہوا، سیاست دانی ان کے گھر کی لونڈی ہوا کرتی تھی، حکومتوں کو روند دینا اور اپنے علم وہنر کی بدولت مد مقابل کو شکست وریخت کردینا ان کا خاص مشغلہ ہوا کرتا تھا، ان کے وارثین اور جہاں آرائی وجہاں بینی کا حق رکھنے والے ایک ادنی دائرہ میں کیوں کر محدود ہوگئے؟ اور زکات وخیرات کا خود کو مستحق ٹھہرا کر اور مطلق عصری درس گاہوں پر شیطانیت کا تمغہ کیوں کر لگادیا؟ حالانکہ مذکورہ بالا دلائل وبراہین سے یہ خیال بے غبار ہوجاتا ہے؛ کہ عصر حاضر میں علمی میدان میں مسلمانوں کے حالات دیکھتے ہوئے مذکورہ شرائط کے ساتھ عصری علوم سیکھنے والوں کو بھی زکواۃ کی رقم کا مستحق ہوں، کیونکہ یہ ایک گونا ضرورت ہے، جو کسی فرد کی نہیں بلکہ امت مسلمہ کی ضرورت ہے۔

○○○

مطبوعات

مجلس تحقیقات ونشریات اسلام، ندوۃ العلماء لکھنؤ

نام کتاب	قیمت
تاریخ دعوت وعزیمت ۹ (جلدیں)	2800/-
Saviours of Islamic Spirit	630/-
Tafisr-ul-Qur`an (1-4)	1050/-
نبی رحمت (اردو)	400/-
نبی رحمت (ہندی)	250/-
نبی رحمت (انگریزی)	250/-
رہبر انسانیت (اردو)	260/-
رہبر انسانیت (ہندی)	250/-
رہبر انسانیت (انگریزی)	250/-
کل میزان	6140/-
خصوصی رعایت کے بعد صرف	3000/-

مجلس تحقیقات ونشریات اسلام سے حاصل کرسکتے ہیں۔

Academy of Islamic Research & Publications
Nadwatul Ulama, Lucknow
Phone : 0522-2741539, Mobile : 9889378176
A/c No. 10863759700, State Bank of India
Main Branch Lucknow. IFS Code. SBIN0000125

علامہ غازی الدین سعدی

صوفی ازم کے نام پر!

اللہ تعالیٰ کے آخری نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے...... حضرت سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی ملک ”یمن“ تشکیل فرمائی۔ اہل یمن نے اسلام قبول کرلیا تھا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: ”یارسول اللہ! میں کم عمر نوجوان ہوں آپ مجھے ایسی قوم میں بھیج رہے ہیں جن میں باہمی مسائل ہوں گے۔“ (یعنی اُن کے جھگڑے، معاملے اور فیصلے نمٹانے کی مجھ میں صلاحیت نہیں ہے)۔

اس پر حضرت آقا مدنی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بشارت سنائی۔ "ان اللّٰہ سیھدی قلبك و یثبت لسانك۔" اللہ تعالیٰ آپ کے دل اور زبان کو سیدھا اور مضبوط رکھے گا حضرت علیؓ فرماتے ہیں: مجھے اس کے بعد کبھی کسی فیصلے میں کوئی شک یا پریشانی نہیں ہوئی۔ (ابوداؤد)

معلوم ہوا کہ...... جس انسان کا دل سیدھا ہوجائے اور زبان ٹھیک ہوجائے وہ انسان ہر جگہ کامیاب ہے۔ اُمت مسلمہ کے ایک مقبول طبقے نے دل اور زبان کی اصلاح کو اپنا موضوع بنایا۔ اس پر بھرپور محنت کی۔ اس کے لئے نصاب مقرر کئے۔ اس کی خاطر بڑے بڑے مجاہدے کئے۔ قرآن وسنت میں غور کرکے اس کے لئے طریقت کا ایک نظام بنایا۔ اس نظام کو صحبت کے ساتھ جوڑا۔ اور یوں سلوک، احسان، تصوف اور روحانیت کے نام سے ایک علم اور ایک سلسلہ وجود میں آگیا۔ دل ہر برائی اور گندگی سے صاف ہوجائے، پاک ہوجائے۔ نفس ہر شرارت سے اور ہر خباثت سے پاک ہوجائے، صاف ہوجائے۔ نیت اور ارادہ ہر دکھلاوے اور ہر خرابی سے پاک ہوجائے، صاف ہوجائے۔ بندے کا دل اللہ تعالیٰ سے جڑ جائے۔ بندے کے دل میں نور اور روشنی پیدا ہوجائے۔ بندہ اپنی ذاتی اغراض سے پاک ہوکر ایک اللہ کا ہوجائے۔ بندے کی توجہ اللہ تعالیٰ کی طرف ایسی ہوجائے کہ اللہ تعالیٰ کی رضا کے سوا اس کا کچھ مقصود نہ رہے کوئی مطلوب نہ رہے۔ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی اس کا محبوب حقیقی نہ رہے۔ وہ خود کو اللہ تعالیٰ کے سامنے پائے اور ہر غرض سے پاک ہوکر اس کی بندگی کرے، اس کی غلامی کرے اور اس کے ارادے کو اپنا ارادہ بنائے اور اس کی تقدیر پر ہمیشہ خوش رہے اور وہ اپنے ارادے کو اور اپنی نفسانی خواہشات کو فنا کردے۔ یہ ہے اسلامی تصوف اور اس کے مشہور سلسلے چار ہیں: قادری، نقشبندی، چشتی اور سہروردی۔

جب کہ ایک سلسلہ ”اویسی“ بھی۔ کسی کسی کو نصیب ہوجاتا ہے۔ تصوف چونکہ اسلام ہی کا ایک سلسلہ اور ایک علم ہے۔ اس لئے اس کے تمام قوانین۔ قرآن وسنت اور حضرات صحابہ کرام کے اقوال و اعمال کی روشنی میں بنائے گئے ہیں۔ صوفیاء کے امام حضرت جنید بغدادیؒ فرماتے ہیں: ”ہمارے تصوف کا یہ راستہ قرآن وسنت کے ساتھ بندھا ہوا ہے پس جو شخص قرآن مجید نہ پڑھے اور حدیث شریف نہ لکھے۔ تو ہمارے تصوف میں ایسے شخص کی پیروی نہیں کی جائے گی۔“ (البدایۃ النہایۃ)

آج کل پوری دنیا میں جس ”صوفی ازم“ کا شور ہے۔ اس کے نام پر میلے، فیسٹول، ناچ، گانے، موسیقی، جھگڑے، نشہ بازی اور بے حیائی کے جو مناظر ہیں اس کا اسلام سے کیا تعلق ہے؟ اس کا قرآن وسنت میں کہاں ثبوت ہے؟

حضرات صوفیاء کرام۔ اپنے سلسلوں کی سند حضرات صحابہ کرامؓ سے جوڑتے ہیں۔ اور حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ

عنہ کو تصوف کا امام اوّل قرار دیتے ہیں۔ کیونکہ تصوف میں ترقی کی آخری منزل۔ مقام ''صدیقیت'' ہے۔ اس کے آگے ''نبوت'' کا مقام ہے۔''نبوت'' کسی کو اپنی محنت یا مجاہدے سے نہیں مل سکتی۔ ایک انسان جو آخری ترقی کرسکتا ہے وہ یہ ہے کہ وہ صدیق کے مقام تک پہنچ جائے۔اور یہ مقام بہت اونچا ہے۔ مقام تو کیا کہنے۔ صدیق کی نسبت مل جانا بھی بڑی سعادت ہے۔اور حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ صدیقین اولیاء کے امام ہیں۔اور آپ منبر پر بیٹھ کر فرماتے تھے کہ اے مسلمانو! جو قوم جہاد فی سبیل اللہ چھوڑ دیتی ہے اللہ تعالیٰ اس پر ذلت کو مسلط فرمادیتے ہیں۔

آج کل ''صوفی ازم'' کا نعرہ اس لئے بلند کیا جارہا ہے تاکہ مسلمانوں کو ''جہاد'' سے روکا جاسکے جب کہ حقیقی تصوف میں ہم یہ دیکھ رہے ہیں کہ صوفیاء کے سب سے اونچے درجے کے امام یعنی صدیقین کے امام حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ مسلمانوں کے لئے جہاد کو لازم سمجھتے ۔خود بھی ساری زندگی جہاد میں رہے اور پھر اپنے مختصر دور خلافت میں انہوں نے اس وقت کی تقریباً پوری امت مسلمہ کو جہاد پر لگادیا یہاں تک کہ مدینہ منورہ خالی ہونے لگا۔

اہل تصوف کے دوسرے بڑے امام جن تک صوفیاء کرام اپنی سند جوڑتے ہیں وہ ہیں اسد اللہ الغالب سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ اللہ تعالیٰ کے شیر ناقابل شکست فاتح اور بدر و خیبر کے فاتح پھر آپ حضرات صوفیاء کرام کے حالات پڑھتے جائیں۔ جن جن بزرگوں کے ساتھ اہل تصوف خود کو جوڑتے ہیں۔وہ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ ہوں یا حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ یہ سب حضرات باقاعدہ جہاد فرماتے رہے۔ جنگ یرموک کے موقع پر اسلامی لشکر میں سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ موجود تھے اور انہوں نے خطاب فرما کر مسلمانوں کو ثابت قدمی اور بہادری کی تلقین فرمائی۔ نیچے کے حضرات میں حضرت حسن بصریؒ سے حضرت ابراہیم بن اُدھمؒ تک آپ کو ایک طرف سلوک و احسان کی عظیم بلندیاں نظر آتی ہیں تو ساتھ ہی جہاد کے عظیم کارنامے بھی۔ ساتویں صدی میں تصوف کے مشہور امام اور بزرگ حضرت الشیخ عبداللہ الیونینی رحمہ اللہ تعالیٰ کے بارے میں ''البدایہ والنہایہ'' میں لکھا ہے کہ آپ ''اسد الشام'' یعنی ملک شام کے شیر کے لقب سے مشہور تھے اور صاحب احوال و مکاشفات تھے آپ امام طریقت ہونے کے ساتھ ساتھ بڑے مجاہد تھے حافظ ابن رجبؒ لکھتے ہیں: آپ کسی بھی جنگ سے پیچھے نہیں رہتے تھے۔اور آپ کے احوال اور کرامات بہت کثیر ہیں۔

مسلمان چونکہ بزرگان دین سے محبت رکھتے ہیں۔ ان سے بہت جلد متاثر ہوتے ہیں۔اور اپنی مشکلات وغیرہ میں بھی وہ ان کی طرف رجوع کرتے ہیں تو دشمنان اسلام بھی اکثر اسی لبادے میں مسلمانوں کو گمراہ کرتے ہیں۔ انگریزوں نے باقاعدہ ایسے ادارے بنائے جو نقلی بزرگ، بابے، صاحب کشف اور صاحب کرامات ملنگ تیار کرکے مسلمانوں میں گھساتے تھے۔ دشمن کے یہ ایجنٹ ایک طرف تو مسلمانوں کے عقائد بگاڑتے تو دوسری طرف ان کے خلاف جاسوسی بھی کرتے تھے یہ ایک بڑی دردناک اور طویل داستان ہے۔اور یہ سلسلہ آج تک جاری ہے۔ کئی غیر مسلم آج بھی مسلمان بن کر مسلمانوں میں اندر تک گھسے ہوئے ہیں اور دن رات لاکھوں مسلمانوں کو گمراہ کررہے ہیں ہم اس داستان کو ایک طرف چھوڑتے ہیں کیونکہ ان کا زیادہ تذکرہ صرف غم و خوف، پریشانی اور شبہات ہی پیدا کرتا۔ اصل بات یہ ہے کہ مسلمان اگر چند چیزوں کا خیال رکھ لے تو وہ کبھی بھی کسی ایسے فتنے کا شکار نہیں ہوسکتا۔ کلمہ طیبہ کے ساتھ مضبوط تعلق اور اس کا بکثرت ورد۔ نماز کے ساتھ پکی دوستی اور عشق جہاد فی سبیل اللہ سے والہانہ تعلق اور محبت، فرائض کی پابندی، قرآن مجید کی تلاوت اور مسنون اوراد کا اہتمام، یہ ایک مختصر نصاب ہے اور اس میں سب کچھ آجاتا ہے۔

(بقیہ......صفحہ......40......پر)

مفتی راشد حسین ندوی

سوال وجواب

س : رمضان کے بعد شوال میں جو چھ روزے رکھے جاتے ہیں، کیا ان کو مسلسل رکھنا ضروری ہے یا متفرق طور پر بھی رکھے جاسکتے ہیں؟ نیز یہاں مشہور ہے کہ یہ روزے تبھی باعث ثواب ہوتے ہیں جب عید کے دوسرے دن ایک روزہ رکھ لیا جائے، اس کی کیا حقیقت ہے؟

ج : شوال کے چھ روزوں کی احادیث میں بڑی فضیلت وارد ہوئی ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے رمضان کے روزے رکھنے کے بعد شوال کے چھ روزے رکھے تو اس نے گویا پورے سال روزے رکھے، ان چھ روزوں کو مسلسل بھی رکھا جاسکتا ہے اور بیچ میں وقفہ کرکے بھی رکھا جاسکتا ہے، یہ بھی ضروری نہیں ہے کہ عید کے دوسرے دن روزہ رکھے تبھی یہ ثواب ملے گا۔

(شامی 2/136، رحیمیہ-2/16)

س : ایک شخص نے رمضان کے آخری دس دن کا اعتکاف کیا، پھر کسی وجہ سے درمیان ہی میں توڑ دیا، یا کسی وجہ سے اعتکاف فاسد ہوگیا تو اس صورت میں کیا اس اعتکاف کی قضاء لازم ہوگی؟

ج : اس صورت میں اس پر ایک دن کے اعتکاف کی قضاء کرنا لازم ہے، اور جس دن اعتکاف کرے اس دن روزہ رکھنا ضروری ہوگا، لہٰذا اگر رمضان کے بعد بھی قضاء کرنی ہے تو روزہ کے ساتھ قضاء کرے، یہ امام ابوحنیفہؒ اور امام محمدؒ کے قول پر ہے، امام ابو یوسفؒ کے نزدیک پورے دس دن کے اعتکاف کی قضاء کرے (روزے کے ساتھ) احتیاط امام ابو یوسف کے قول پر عمل کرنے میں ہے، لیکن اس میں دشواری ہو تو کم از کم ایک یوم کی قضاء ضرور کرے۔

(شامی-2/142)

س : عورت اگر اعتکاف کرنا چاہے تو کیا شوہر سے اجازت لینا ضروری ہے؟ اور کیا اعتکاف کی حالت میں وہ شوہر سے بات کرسکتی ہے؟ کیا شوہر اس سے وطی کرسکتا ہے؟

ج : شوہر کی اجازت کے بغیر عورت کے لئے اعتکاف کرنا منع ہے، اس حالت میں اس کو عبادات میں مشغول رہنا چاہئے لیکن اگر کوئی ضروری بات ہو تو شوہر اور گھر کے دیگر افراد سے کرسکتی ہے، اس سے اعتکاف نہیں ٹوٹے گا، جہاں تک وطی کا تعلق ہے تو اس سے اعتکاف ٹوٹ جائے گا، شوہر نے جب اعتکاف کی اجازت دے دی تو اب اس کو اس سے باز رہنا چاہئے۔

(شامی-2/140)

س : اگر کسی بستی میں کوئی اعتکاف بیٹھنے والا نہ ہو تو کیا کسی کو اجرت دے کر اعتکاف کے لئے آمادہ کیا جاسکتا ہے؟

ج : اعتکاف ایک عبادت ہے، اس پر نہ اجرت کا لینا جائز ہے نہ دینا جائز ہے، اگر کسی کو اس طرح اعتکاف کے لئے آمادہ کر بھی لیا جائے تو اس سے سنت کفایہ کی ادائیگی نہیں ہو پائے گی۔

(رسائل ابن عابدین-1/157)

س : غسل کرنے کیلئے اعتکاف کرنے والا مسجد سے باہر نکل سکتا ہے یا نہیں؟

ج : اگر جنابت پیش آگئی تو غسل کے لئے مسجد سے باہر نکل سکتا ہے۔ اسی طرح جمعہ کے دن غسل مسنون کے لئے بھی صحیح قول کے مطابق مسجد سے باہر نکل سکتا ہے۔ لیکن محض ٹھنڈک حاصل کرنے کے لئے غسل کرنا ہو تو فقہاء نے مسجد سے باہر نکلنے سے منع کیا ہے، البتہ اگر شاید گرمی کی وجہ سے اضطراری حالت ہو جائے تو نکلنے کی گنجائش ہوگی، اس لئے کہ اس صورت میں اس کی حیثیت حوائج انسانی کی ہوگی اور فقہاء نے انسانی حاجات یعنی پیشاب وغیرہ کے لئے نکلنے کی اجازت دی ہے، اگر اضطراری

کیفیت نہ ہو تو اصلاً نکلنا جائز نہیں ہے، لیکن یہ کر سکتا ہے کہ جب استنجاء کے لئے جائے تو غسل کے انتظام کے ساتھ جائے، اور جلد از جلد دو چار لوٹے بدن پر ڈال کر ٹھنڈک حاصل کرلے، یا جب مسجد خالی ہو تو اس کے کسی ایسے حصہ میں بیٹھ کر غسل کرلے جہاں سے پانی نکل جاتا ہو پھر غسل کرنے کے بعد مسجد کے جس حصہ پر مستعمل پانی گرا ہے اس پر صاف پانی بہادے، یا مسجد میں کوئی ٹب وغیرہ بڑا برتن رکھ لے، اسی میں بیٹھ کر غسل کرے تاکہ مستعمل پانی اسی میں گرے، پھر ٹب کے مستعمل پانی کو مسجد کے باہر ڈلوادے۔ (شامی-2/143، احسن الفتاویٰ-4/507،512)

س: صدقہ فطر کس پر واجب ہے، ایک صاحب کہہ رہے تھے کہ صدقہ فطر نہ نکالا جائے تو روزہ قبول نہیں ہوتا ان کی یہ بات کہاں تک صحیح ہے؟

ج: صدقہ فطر اس شخص پر واجب ہوتا ہے جس کے پاس 87 گرام سونا یا 612 گرام چاندی یا 612 گرام چاندی کے بقدر حاجات اصلیہ سے زائد کا سامان عید کے دن موجود ہو، خواہ اس پر سال گزرا ہو یا نہیں، صدقہ فطر نکالنا واجب ہے، نہ نکالنے پر گناہ ہوتا ہے، لیکن اگر روزہ اخلاص کے ساتھ رکھا گیا تو ان شاء اللہ وہ مقبول ہوگا۔ (مراقی الفلاح، ص-595)

○○○

بقیہ......... صوفی ازم کے نام پر!

ساتھ ہی ہر نماز کے بعد فتنوں سے حفاظت کی دعاء کا بہت اہتمام رہے۔

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِكَ مِنَ الْفِتَنِ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَ مَا بَطَنَ اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِكَ مِنْ فِتْنَةِ الْمَسِيْحِ الدَّجَّالِ اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِكَ مِنْ فِتْنَةِ النِّسَاءِ

چونکہ زمانے کے اکثر بڑے فتنوں کی لگام ''عورتوں'' کے ہاتھ میں ہے اس لئے عورتوں کے فتنے سے حفاظت کی دعاء ہر مسلمان مرد اور عورت کو کرنی چاہئے اور ہماری مسلمان بہنوں کو یہ نہیں سمجھنا چاہئے کہ یہ دعا نعوذ باللہ ان کے خلاف ہے۔ اسی طرح جمعۃ المبارک کے دن سورۃ الکہف کا اہتمام رکھیں اور اپنا ''جمعہ'' خوب مضبوط بنائیں۔ جمعہ اگر مضبوط ہو جائے تو فتنے دور دور بھاگ جاتے ہیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ ''صوفی ازم'' کے نام سے ایک شیطانی فتنہ اس وقت مسلمانوں میں پھیلایا جارہا ہے۔ اہل ایمان اس سے خبردار رہیں۔

○○

بقیہ......... حضرت اُم الفضل لبابۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا

ما ولدت نجيبه من نحل
لستة من بطن ام الفضل
اكرم بها من لهلة و كهل
عم النبی المصطفی ذی الفضل
و خاتم الرسل و خير الرسل

حضرت اُم الفضلؓ سے تیس احادیث مروی ہیں۔ ان کے راویوں میں حبر الامت حضرت عبداللہؓ اور دوسرے فرزندان عباسؓ اور حضرت انسؓ بن مالک جیسے جلیل القدر اصحاب شامل ہیں۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہما۔

اطلاع

مدرسہ ضیاء العلوم کے سفیر جناب حافظ رئیس صاحب اس وقت بھٹکل کے سفر پر ہیں۔ بھٹکل کے رضوان کے قارئین سے گزارش ہے کہ جو رقم جمع کرنا چاہیں وہ ان کو رقم دے کر رسید حاصل کر سکتے ہیں۔

موبائل: 8887048801

بقیہ......اخیر عشرہ میں ہم کس طرح رہیں!

اس عشرہ میں ہمیں صلہ رحمی اور عائد حقوق کی ادائیگی پر خاص توجہ دینے کی ضرورت ہے، ہمیں چاہئے کہ ہم اپنے نفس کا محاسبہ کریں، اللہ کا قرب حاصل کرنے کی کوشش کریں، زیادہ سے زیادہ ثواب کمانے کے متلاشی رہیں اور عمل صالح کو اپنی زندگی کا حصہ بنائیں۔

اللہ تعالیٰ اس عشرہ کو ہمارے لئے جہنم سے خلاصی کا ذریعہ بنائے ہمیں نماز وروزہ زکوۃ اور ساری عبادتوں کو مطلوبہ طریقہ پر ادا کرنے والا بنائے اور ہمیں یہ موازنہ کرنے کی توفیق دے کہ قرآن کی تلاوت اور قیام لیل بہتر ہے، یا مارکٹوں میں جاگ کر رات گزارنا یا ٹیلی ویژن و نیٹ پر بیٹھ کر سیریل و مختلف معصیتوں سے بھرے پروگرام کا مشاہدہ کرنا، اللہ ہمیں اس ماہ کے اس عشرہ کی قدر کرنے والا اور جتنے لمحات باقی رہ گئے ہیں اسے کام میں لینے والا بنائے کہ یہ لحات پھر دوبارہ میسر آنے والے نہیں ہیں:

الخير باد فيك والاحسان، والذكروا القرآن يا رمضان والصوم فيك عبادة و رياضة، تسمو بها الارواح والابدان.

ترجمہ: اے رمضان تیرے اندر خیر و احسان، نیکی و بھلائی اور ذکر و قرآن بالکل عیاں ہے، تیرے اندر روزہ عبادت و ریاضت ہے، جس سے جسم و روح کو بلندی نصیب ہوتی ہے۔

محترم قارئین کرام

ماہ جون 2018 سے رضوان کے سالانہ زر تعاون میں -/100 روپے کا اضافہ کیا جا رہا ہے۔ رضوان کا اب سالانہ زر تعاون مبلغ -/300 روپے ہوگا۔ کاغذ اور طباعت میں اضافہ ہونے کی وجہ سے مجبوراً یہ اضافہ کرنا پڑا۔ امید ہے کہ قارئین رضوان اس کو بخوشی قبول فرمائیں گے۔

سالانہ زر تعاون -/300 روپے
فی شمارہ -/30 روپے

والسلام
منیجر رضوان

قارئین کرام سے دعائے مغفرت کی درخواست

میرے بھتیجے محمد ریاض ابدال ایک ریل حادثے میں 20 اپریل 2018 کو انتقال کر گئے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن۔

مرحوم نیک، خلیق، غریبوں اور محتاجوں کی مدد کرنے والے اور والدین کی بے پناہ خدمت کرنے والے تھے، اللہ تعالیٰ ان کی کوتاہیوں کو درگزر فرما کر اعلیٰ علیین میں جگہ عطا فرمائے۔ آمین

اور والدین کو صبر جمیل عطا فرمائے۔

قارئین رضوان سے دعائے مغفرت کی درخواست ہے۔

محمد محی الدین ندوی

آخری صفحہ

مولانا محمد قمر الزماں ندوی
استاذ مدرسہ نور الاسلام کنڈہ پرتاپگڑھ

میں خود کو اس کا اہل نہیں سمجھتا

ہشام بن عبدالملک کے زمانہ خلافت میں ابراہیم بن عیلہ نام کے ایک بزرگ تھے جن کی دیانت وامانت زہد وتقوی اور خشیت و للّٰہیت کی بڑی شہرت تھی، اور لوگوں میں ان کی نیکی اور بزرگی کا بڑا چرچا تھا۔ ہشام بن عبدالملک نے ان کو مصر کا گورنر بنانا چاہا مگر انہوں نے اس عہدے کو قبول کرنے سے انکار کر دیا اور معذرت کر لی، اور اس کی وجہ یہ بتائی کہ میں خود کو اسکا اہل نہیں سمجھتا، ہشام بن عبدالملک کو ابراہیم بن عیلہ کا یہ جواب انتہائی ناگوار گزرا، اس نے غصہ سے کہا کہ تمہیں اس عہدہ کو قبول کرنا ہوگا، ابراہیم بن عیلہ وقت کی نزاکت کو محسوس کرتے ہوئے اس وقت تو خاموش ہو گئے، لیکن کچھ عرصہ بعد جب ہشام بن عبدالملک نے پھر اصرار کیا تو جواب میں انہوں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے پاک کلام میں ارشاد فرمایا ہے کہ ہم نے اپنی امانت کو زمین و آسمان کے سپرد کرنا چاہا مگر انہوں نے انکار کر دیا، جب اس انکار پر اللہ تعالیٰ ان سے ناخوش نہیں ہوا تو آپ مجھ سے کیوں ناراض ہوتے ہیں؟ خلیفہ نے یہ جواب سن کر ان کی جگہ کسی اور کو متعین کر دیا۔

اسلامی تاریخ کے روشن اور زریں صفحات میں اس طرح کے ہزاروں واقعات محفوظ ہیں کہ ہمارے اسلاف دیانت وامانت زہد وتقوی اور خوف خدا کی دولت سے مالا مال تھے اور نیکی و پرہیزگاری کے اعلیٰ مقام پر فائز تھے، اور آخرت کی باز پرس کے ڈر سے بڑے سے بڑے عہدوں کو ٹھوکر مار دیتے تھے، اگر انہیں یہ محسوس ہو جاتا تھا کہ حکمران وقت انکی خدمت میں عہدہ و منصب پیش کریں گے تو وہ پہاڑوں اور غاروں میں چھپ جایا کرتے تھے۔ لیکن آج کے زمانہ میں معیار بدل چکا ہے، لوگ عہدہ و منصب کے لئے جان تک دے دیتے ہیں۔ میڈیا کا سہارا لیتے ہیں، اپنے کو مستحق اور حقدار ثابت کرنے کے لئے عدالتوں کا بھی سہارا لیتے ہیں، عوام تو عوام طبقۂ خواص بھی عہدہ و منصب کے حصول کے لئے سیاست و مذہب کے نئے نئے روپ دھارتا ہے اور ہر راہ سے اپنا یہ مقصد حاصل کرنے کی فکر میں لگا رہتا ہے، ہوسِ زر اور ہوسِ اقتدار دونوں انسانیت اور دین کے لئے زہر ہیں، اس لئے حضور نے اس کی تمثیل اس طرح بیان فرمائی ہے:

"دو خونخوار بھیڑیوں کا کسی زخم کو چاٹ چاٹ کر خراب کرنا زخم کے لئے اتنا مضر نہیں جتنا مضر ایک مسلمان کے دین لئے حب جاہ اور حب مال ہے۔" (مسلم)

اس تمثیل نبوی سے طلب عہدہ و منصب اور ہوسِ اقتدار کی زہرناکی کا اندازہ کیا جا سکتا ہے، یہی وجہ ہے کہ ہمارے اسلاف عہدہ و منصب کے حصول سے ڈرتے تھے اور ہوس اقتدار کے فتنہ سے اپنے آپ کو محفوظ رکھتے تھے، ہمارے اکابرین تو اختلاف کی صورت میں عہدہ تک چھوڑ دیا کرتے تھے، چنانچہ آزادی سے پہلے کانگریس اور مسلم لیگ کے جھگڑوں کے دوران جب ذمہ داران دارالعلوم نے حکیم الامت حضرت تھانوی کی بات نہیں سنی اور اندیشہ اختلاف کا ہوا تو آپ نے دارالعلوم کی سرپرستی سے فوراً استعفا بھجوا دیا، اور آپ اس کے لئے بھی آمادہ تھے کہ اگر مخالفین خانقاہ اور مدرسہ (واقع تھانہ بھون) خالی کرنے کے لئے کہیں گے تو میں خالی کر دوں گا۔ اس لئے خواص امت کو چاہیے کہ وہ عہدہ و منصب کے حصول میں اختلاف سے مکمل اجتناب کریں کیوں کہ یہ دور ذرائع ابلاغ کا ہے، قدم قدم پر کیمرے کی آنکھیں، یا اخبار نویسوں کی متجسس نگاہیں آپ کو دیکھ رہی ہیں، ذرا سا کوئی پتہ ادھر کھڑکتا نہیں ادھر ان کو خبر ہو جاتی ہے پھر آپ کے جھگڑوں کی خبریں عوام کو ضیافت طبع کے لئے پیش کر دی جاتی ہیں جس سے علماء کا وقار کم ہوتا ہے، پھر لوگ مولویوں کو عہدوں کا حریص، اقتدار پرست، دولت کا غلام اور نہ جانے کیسے کیسے القاب سے نوازتے ہیں۔

اللہ ہم سب کو ان حقائق کو سمجھنے اور ان پر عمل کرنے کی توفیق دے (آمین)